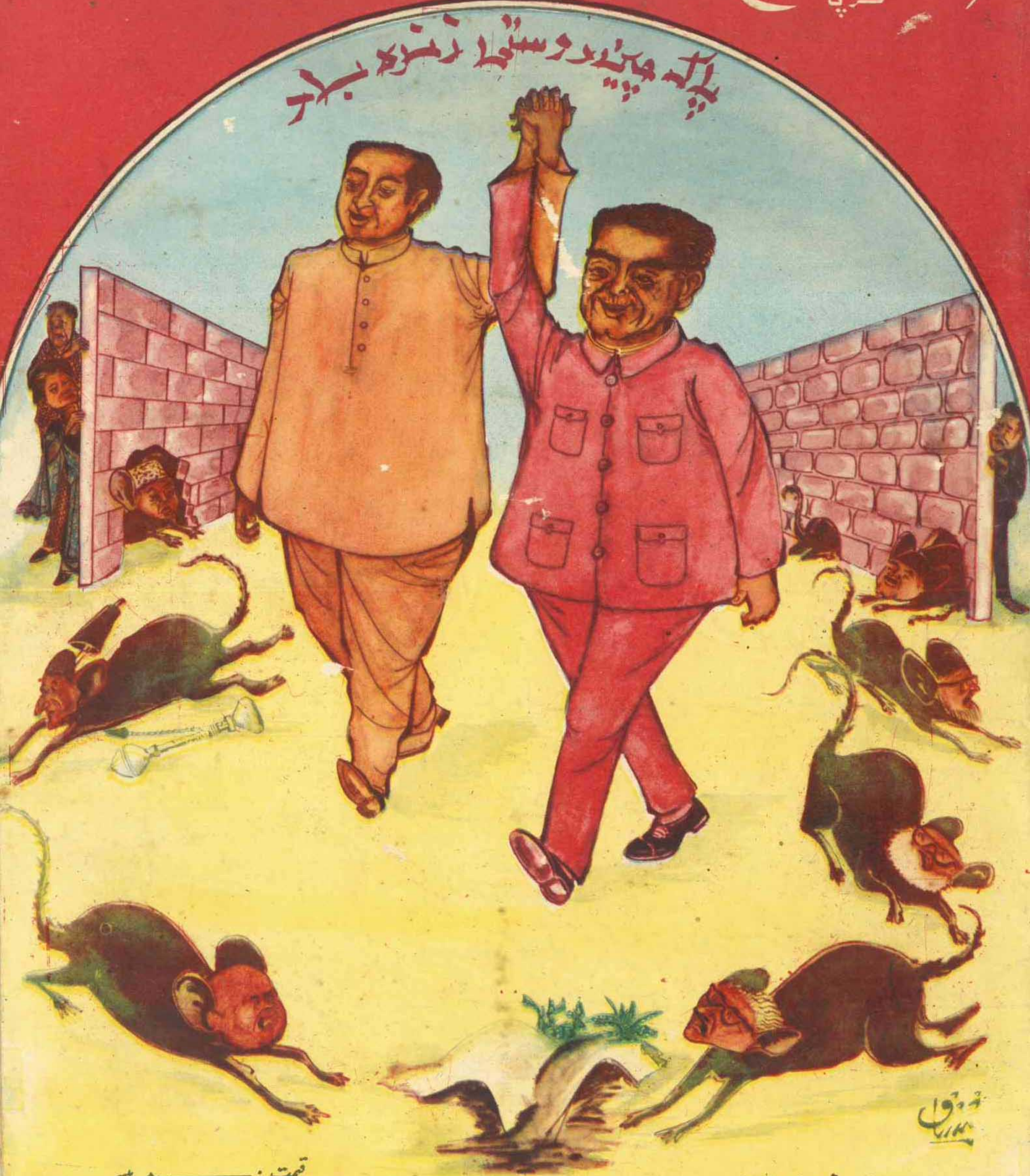
ہفت روزہ

الفتح

کراچی

مشرقی پاکستان کے بلا مقابلہ انتخابات کی اندرونی کہانی



قیمت : ـــــ ۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے : ـــ ۷۵ پیسے

۱۸-۲۵ نومبر ۱۹۷۱ء

جوہر میر

نہ امن میں ہے کوئی بات اور نہ جنگ میں ہے
خلوصِ دوست ابھی تک غبارِ رنگ میں ہے

نجاتِ ارضِ وطن کاسۂ گدا میں نہیں
بقائے امن فقط دُشمنوں سے جنگ میں ہے

غریبِ شہر تری بے کسی پہ شہر نثار
کہ تیرا درد عزیزانِ شہرِ سنگ میں ہے

خجل ہے غیرتِ عشاق اپنی جرأت سے
کہ تیرا حسن مقیّد لباسِ ننگ میں ہے

چمک رہا ہے ابھی شاخ شاخ زخمِ خزاں
غمِ بہارِ گلستاں امنگ میں ہے

نویدِ ارض وطن تیرے کج کلاہوں کو
کہ تیغِ درد ہماری نیامِ زنگ میں ہے

ہمارے عہد کی تاریخ بے زباں ہے ابھی
ہمارا عہد ابھی محورِ فرنگ میں ہے

ہزار عیب سہی جسم کی خراشوں میں
تمہارے حُسن کی شہرت مزاجِ سنگ میں ہے

کوئی ہمیں بھی دلائے شکست کا احساس
کہ جسم امن سے پامال روح جنگ میں ہے

حقیقتوں سے ہوں ہم چشم کس طرح جوہر
یہ دل اسیر ابھی دامِ نام و ننگ میں ہے

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

جلد :۔ ۲ شمارہ :۔ ۲۷

۱۸ - ۲۵ نومبر ۱۹۷۱ء

نگران
شوکت صدیقی
محمود شام

مدیر
ارشاد راؤ

معاونینِ خصوصی
ابراہیم جلیس، افضل صدیقی، عبدالحمید چھاپرا

مجلسِ ادارت
وہاب صدیقی - نعیم آروی

آرٹ ایڈیٹر
غلام نبی نزہتی

سرورق :۔ مشتاق

بدلِ اشتراک	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے	۷۵ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت :۔ ۶۰ فلس دوبئی قطر : ۷۵ درم
سعودی عرب : ۱۵ قرش ۔ انگلستان ۲ شلنگ ۶ پنس

مقامِ اشاعت
ہفت روزہ الفتح ، ۸۷ ڈی، نرسری کمرشل ایریا۔
پی، ای - سی - ایچ - ایس کراچی - ۲۹

ایڈیٹر پبلشر :۔ ارشاد راؤ
مطبع حقی آفسٹ پریس، لیاقت آباد۔ کراچی

عکاس :۔ الطاف رانا

اداریہ

مشرقی پاکستان میں کیا ہو رہا ہے ؟

مجیب الرحمٰن کی قیادت نے مشرقی پاکستان کے بے گناہ عوام کو گولیوں کی باڑ کے سامنے لا کھڑا کیا۔ آٹھ ماہ میں بھی مشرقی پاکستان کے حالات معمول پر نہیں آسکے۔ جمہوریت کے اس بے گور وکفن لاشے پر جماعت اسلامی، پاکستان جمہوری پارٹی، نظام اسلام پارٹی اور تینوں لیگیں گدھوں کی طرح پل پڑیں۔ اور چند مفاد پرست خفیہ ہاتھوں کے ذریعے مسترد شدہ لیڈر۔ عوام کا اعتماد جیتے بغیر۔ بلامقابلہ عوامی نمائندے منتخب ہو گئے۔ اور اب وہ اقتدار کی کرسی کو جھپٹ لینے کی فکر میں ہیں۔ مشرقی پاکستان کے بزرگ رہنما نورالامین مغربی پاکستان میں مقیم ہیں۔ انہیں فکر نہیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے ۔ ؟

مشرقی پاکستان میں جو کچھ مارچ سے ہو رہا ہے، انتہائی افسوسناک اور المناک ہے۔ سبوتاژ کے بڑھتے ہوئے واقعات خطرناک صورت اختیار کر رہے ہیں۔ ملک کی سلامتی کی ذمہ داری جن قوتوں پر ہے انہیں ان واقعات کے اسباب جاننے کی طرف توجہ دینی چاہیئے، مشرقی پاکستان میں پاکستانیوں کے ہاتھوں پاکستانیوں کی ہلاکت کی خبریں سن کر مغربی پاکستان کے عوام میں شدید رد عمل پیدا ہوتا ہے ان واقعات کو محض تخریب کاروں کی سرگرمیاں سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بڑھتے ہوئے واقعات اس بات کی غمازی بھی کرتے ہیں کہ ان لوگوں سے مقامی آبادی تعاون کر رہی ہے۔ اس لئے یہ سوچنا بھی ضروری ہے کہ مقامی آبادی کیوں تعاون کرتی ہے۔ اس کی وجہ صرف خوف نہیں ہو سکتا۔ شکایت اور محرومی ہے۔ مشرقی پاکستانیوں نے مجیب الرحمٰن پر اس لئے اعتماد کیا کہ وہ ان کی معاشی فلاح کا دعویٰ کرتے تھے۔ اگر مجیب الرحمٰن اور اس کے مٹھی بھر ساتھیوں پر علیحدگی پسندی کا الزام ہے تو اس کی سزا تمام مشرقی پاکستانیوں کو نہیں ملنی چاہیئے۔ شکست خوردہ جماعتوں کو بلا مقابلہ منتخب کر کے ان پر مسلط کرنا ۔۔ ناکردہ گناہوں کی سزا نہیں تو کیا ہے۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ مشرقی پاکستانیوں کے دلوں سے نفرت اور کدورت کو دور کرنے کے لئے پہلا ناگزیر امر یہ ہے کہ صدر صاحب خود اعلان کریں کہ مشرقی پاکستان کو زیادہ سے زیادہ صوبائی خود مختاری دی جائے گی اور دوسرے وہاں اقتصادی پریشانیوں کو دور کرنے کے لئے مغربی پاکستانی صنعت کاروں کو سہولتیں دینے کی بجائے وہاں کی صنعتوں کو وہاں کے عوام کے ہاتھ میں دے کر وہاں کام کی رفتار تیز کی جائے، ایسے ترقیاتی منصوبے فوری طور پر شروع کئے جائیں، جس میں عوام پوری طرح شریک ہوں اور تعمیری جذبے کے ساتھ مصروف کار ہو جائیں اور ان کی محنت کا معاوضہ انہیں فوراً اور بھرپور ملے۔ مغربی پاکستانی صنعت کاروں کے بارے میں ہمیں اطلاعات ملی ہیں کہ وہ بنکوں کی سہولتوں کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ یہ مشرقی پاکستان کے مظلوم عوام کے ساتھ انتہائی زیادتی ہے۔ ان کی لگامیں کسنے کی ضرورت ہے۔

ہمیں پولیس کے بارے میں بھی شکایات ملی ہیں کہ وہ مشرقی پاکستانی عوام کے ساتھ غیر انسانی سلوک کر رہے ہیں۔ انہیں بھی شکنجے میں جکڑنے کی ضرورت ہے، ورنہ اس سے اچھا تاثر پیدا نہ ہوگا۔ اسی طرح رضاکاروں کی سرگرمیاں قابلِ مذمت ہیں۔ ابھی تک اگر رضاکاروں کو روزانہ بھارتی ایجنٹ ہلاک کرنے پڑتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ غیر مطمئن ہیں۔ ورنہ اتنے پاکستانی بھارت کے ایجنٹ نہیں بن سکتے۔ ہم مشرقی پاکستان کے عوام پر اتنا عدم اعتماد نہیں کر سکتے۔

(باقی صفحہ ۴۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

برجستہ

در مدحِ ممتاز دولتانہ

ایس دبیر حسین (لاہور) نے مندرجہ ذیل دو خبریں اپنے تبصرے سمیت ارسال کی ہیں۔

بھٹو اور دولتانہ ہم سفر ہیں

لاہور ۱۱ نومبر جناب ذوالفقار علی بھٹو اور میاں ممتاز محمد خان دولتانہ ایک ہی ٹرین میں کراچی کا سفر کر رہے ہیں میاں صاحب نے بتایا کہ وہ نجی کام کے سلسلہ میں کراچی جا رہے ہیں وہ دو روز تک رہیں گے۔ انہوں نے بتایا کہ ڈیموکریٹک پارٹی کے سربراہ جناب نور الامین نے کہا ہے کہ میں ۱۴ نومبر کو صوبائی دارالحکومت میں ضرور ان سے ملاقات کروں اس لئے میں دو روز میں ہی واپس لوٹ آؤں گا۔ معلوم ہوا ہے کہ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ نے بھی تیز گام کے ڈبہ نمبر ۴۴۳ ایس بی اپنی نشست مخصوص کرائی تھی۔ انہیں بعد میں یہ اطلاع ملی کہ جناب بھٹو بھی اسی ڈبے میں کراچی تک سفر کر رہے ہیں تو انہوں نے ریلوے حکام سے درخواست کر کے اپنا ڈبہ تبدیل کرا لیا۔ اب وہ جناب بھٹو سے اگلے ڈبے میں سفر کر رہے ہیں

رقیبِ روسیاہ کا کام کیا ہے کوئے جاناں میں
نکالو اس کو شیطان ہے یہ جنت میں گھسا کیوں ہے

دولتانہ نے زنجیر کھینچ کر گاڑی رکوالی

کراچی ۱۲ نومبر جس گاڑی میں بھٹو صاحب کراچی پہنچے اسی میں جناب ممتاز دولتانہ بھی سفر کر رہے تھے گاڑی جب ڈرگ روڈ سٹیشن پر پہنچی تو جناب دولتانہ نے زنجیر کھینچ کر گاڑی رکوائی اور اپنا سامان اتار کر اپنے بیٹے سمیت ریلوے لائن عبور کر گئے اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر شہر پہنچے بھٹو صاحب نے بھی انہیں جاتے دیکھا۔

بیکار خفتگانِ لحد کو نہ جانیئے ۔
خفیہ سرنگ کھود رہے ہیں پڑے پڑے

کچھ جماعت مودودیہ کی خدمت میں

ایک قاری نے ہمیں چند تراشے یہ ارسال کئے ہیں

اجتماعی افطاری

ماہ رمضان المبارک میں کارکنانِ جماعت کی ایک اجتماعی افطاری کا پروگرام مرکز جماعت کی برہا برس کی روایت چلی آ رہی ہے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی شرکت بھی اس اجتماع میں متوقع تھی مولانا محترم خرابی صحت کی بنا پر ایک مدت ہوئی کسی تقریب میں شریک نہیں ہوئے اس لئے مولانا محترم کی متوقع شرکت کی نوید ہی کارکنانِ جماعت کے لئے سب سے زیادہ کشش کا باعث تھی۔

ہفت روزہ "ایشیا" ۱۴ نومبر ۱۹۷۱ء

مولانا مودودی اس محفل میں شریک تھے۔ مگر انہوں نے کچھ فرمایا نہیں بلکہ سوالات کے جواب بھی میاں طفیل نے دیئے۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے۔ اس طرح جینے جی کسی کو نہ کرے

؎ فانی ہم تو جیتے جی اک میت ہیں بے گور و کفن

شیطان اسلام کے لبادے میں'

میاں صاحب نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا "حقیقت یہ ہے کہ تمام تر غفلتوں اور کوتاہیوں کے باوجود پاکستانی عوام میں اسلام اس طرح رچا لبسا ہے کہ وہ اسلام سے ہٹ کر کچھ سوچ ہی نہیں سکتے۔ اگر شیطان بھی ان سے ووٹ لینے آئے گا۔ تو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر آئے گا۔

؎ تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں سفید ڈاڑھی والا شیطان ووٹ مانگنے آیا۔ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مگر پاکستانی عوام نے تمام غفلتوں اور کوتاہیوں کے باوجود اسے پہچان لیا۔ اور شیطان کو صرف چار سیٹیں مل سکیں۔

باقی صفحہ ۲۴ پر ملاحظہ فرمائیے

حبُّ الوطنی کی سزا کتنی کڑی ہے

حب الوطنی کی سزا کتنی کڑی ہے؟

اس کا اندازہ ایس۔ ایم۔ علی کی تنگدستی سے لگایا جا سکتا ہے موصوف سمنز میں ایک ٹائپسٹ کی حیثیت سے ملازم تھے۔ ان کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے مارشل لاء حکام کے روبرو مذکورہ فرم کے چیف اکاؤنٹنٹ آر جے فیٹو کے خلاف ناجائز طور پر زرمبادلہ منتقل کرنے کے کیس کے سلسلے میں ضروری اطلاعات فراہم کی تھیں یہ مقدمہ مسٹر صلاح الدین جاوید نے قائم کرایا تھا۔ اور جونہی مسٹر ایس۔ ایم علی کو ملازمت سے سبکدوش کیا گیا تو مسٹر صلاح الدین جاوید نے مارشل لاء حکام کو لاہور، راولپنڈی اور کراچی میں اطلاع دی کہ ذریعۂ معلومات کو ہٹا دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی مسٹر ڈومیلک اور ذیلر فرار ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مسٹر ایس۔ ایم۔ علی کا کہنا ہے کہ انتظامیہ نے انہیں ملازمت سے برطرف کرتے ہوئے یہ جتایا کہ ان کے ایک رشتے دار فوج میں اعلیٰ ملازم ہیں اور مارشل لاء حکام کو انہی نے اطلاع فراہم کی ہے لہٰذا وہ ملازمت پر کام نہیں کر سکتے۔

مسٹر ایس ایم علی نے صدر یحییٰ اور مارشل لاء حکام سے اپیل کی ہے کہ وہ انہیں ملازمت پر بحال کرائیں نیز سیمنز کے تمام حسابات کی مکمل جانچ پڑتال مارشل لاء حکام کی نگرانی میں کرائی جائے یہ ادارہ جن گھناؤنی سرگرمیوں میں ملوث ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس طرف فوری توجہ دی جائے۔

مسٹر ایس۔ ایم علی۔ کا کہنا ہے کہ مارشل لاء حکام نے اس جانب فوری توجہ نہ دی تو ان کے بچے بھوکوں مر جائیں گے اور حب الوطنی کی یہ سزا اتنی کڑی ہوگی کہ آئندہ کوئی قومی مفاد کی خاطر قربانیاں دینے سے گریز کرے گا۔

الفتح

فوجی سپریم کونسل، صدر سیاستدان، وزیر اعظم سیاستدان

محمود شام

جنگ کا خطرہ پہلے سے شدید ہو گیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ فوجی حکومت کو یہ احساس بھی ہو گیا ہے کہ عوامی نمائندوں کی حکومت بنائے بغیر چارہ نہیں ہے

ایک بات پہلے ہی واضح کر دوں کہ اب اقتدار یا اختیارات منتقل ہونے کا مسئلہ نہیں ہے ایک غیر فوجی حکومت کے قیام کا مسئلہ ہے کیونکہ جو اختیارات مسلح افواج کے پاس ہیں وہ پاکستان میں پہلے بھی ان کے پاس رہے ہیں اب بھی ان کے پاس رہیں گے اگلے ماہ جو کارروائی عمل میں آنے والی ہے، اسے اختیارات میں حصہ داری، یا کچھ ذمہ داریوں کی منتقلی کہا جا سکتا ہے۔

ہم نے پہلے کہا تھا۔ کہ مرکز میں "امن کمیٹی" بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے، چھ جماعتیں اپنے اتحاد کے ذریعے اسی کے حصول کے لئے کوشاں ہیں۔ اس سے پہلے پی پی پی اور "پی ڈی پی" میں مفاہمت کی بات چل رہی تھی، نور الامین اور محمود علی اس کے لئے آمادہ بھی تھے لیکن حسب معمول پی ڈی پی کے مغربی پاکستان گروپ نے اپنے سامراجی آقاؤں کے اشارے پر اس میں رکاوٹ کھڑی کر دی، مشرقی پاکستان میں بلا مقابلہ سیٹیں دلوانے والے خفیہ ہاتھوں نے پھر پاکستان پیپلز پارٹی کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانے کی کوششیں تیز کر دی ہیں، ان کوششوں کو زیادہ تیز مسٹر بھٹو کی قیادت میں چین جانے والے وفد کی روانگی کے بعد کیا گیا ہے اس لئے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کونسی بین الاقوامی طاقت ہے، جو اس اتحاد کے پیچھے ہے۔ خان قیوم اور دولتانہ کبھی ایک دوسرے کے دیکھنے کے روادار نہ تھے، اب وہ یک جان دو قالب ہو گئے، ایوان صدر پنڈی میں ایک مشترکہ ملاقات نے ہی برسوں کی تلخی دور کر دی۔ اب مشرقی پاکستان کی مصنوعی اکثریت کے ذریعے اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے نور الامین صاحب صحیح کہتے ہیں کہ اقتدار مشرقی پاکستان کو ملنا چاہیئے مگر دو سوالات پیدا ہوتے ہیں (۱) ایک تو اب کے وہ اقتدار منتقل نہیں ہو رہا ہے جو عام حالات میں ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں عام حالات نہیں ہیں (۲) مشرقی پاکستان کو اقتدار منتقل کرنے کا مطلب وہاں کے عوام کو اقتدار منتقل کرنا ہے، مگر یہ نمائندے تو مشرقی پاکستان کے عوام کے نمائندے نہیں ہیں، باقاعدہ انتخابات میں تو عوام نے انہیں مسترد کر دیا تھا۔ (اسی شمارے میں ایک مضمون میں ووٹوں کا تناسب ملاحظہ کیجئے) اب وہ بلا مقابلہ منتخب ہو گئے ہیں، ان کے انتخابی حلقوں میں ووٹروں کو ان کی زیارت بھی نہیں ہوئی، انہیں عوام کا اعتماد ہی کہاں

خفیہ ہاتھوں نے
بھٹو کے چین جاتے ہی
چھ جماعتی اتحاد کی
کوششیں تیز کر دیں

حاصل ہے، ان کو وزارتیں ملنے کے بعد بھی عوام تو اس طرح محروم رہیں گے

نور الامین ایک بزرگ سیاستدان ہیں، اور وہ اتفاق سے ۱۹۷۰ء کے باقاعدہ انتخابات میں منتخب ہوئے تھے، وہ میمن سنگھ کے عوام کے نمائندے ضرور ہیں لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ مارچ ۱۹۷۱ء کے خونی ہنگامے کے بعد انہوں نے اپنے علاقے میں جانے تک کی زحمت نہ کی، ان کے علاقے میں ہی مہاجرین کا زیادہ بہیمانہ قتل عام ہوا اور وہاں اب تک حالات خراب ہیں اب جماعت اسلامی کے رضا کار وہاں اپنے سیاسی مخالفین کو ہلاک کر رہے ہیں، نور الامین خود عبد الصمد خان اچکزئی کے سامنے اس بات کا اعتراف کر چکے ہیں، اپنے تمام تجربے اور بزرگی کے باوجود وہ اس کھلے فریب کا شکار ہو رہے ہیں۔ ان کا کردار مارچ ۱۹۷۱ء تک بڑا آبرومندانہ رہا، انہوں نے بعد میں صدر سے بھی صاف صاف بات کی تھی۔ اور اپنے مغربی پاکستان گروپ کے برعکس قومی اسمبلی کو برقرار رکھنے کا دانش مندانہ مشورہ دیا۔ مودودی اور نوابزادہ نصر اللہ کی طرح اسمبلی توڑ کر ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتائج کالعدم قرار دینے کا مطالبہ نہیں کیا تھا، ورنہ آج مغربی پاکستان میں مشرقی پاکستان کے سے حالات ہوتے اور نوابزادہ نصر اللہ اپنے اس علاقے سے بلا مقابلہ منتخب ہوتے جہاں سے ملک غلام مصطفےٰ کھر نے ان کی ضمانت ضبط کروائی تھی۔ یوں مغربی پاکستان کے عوام بھی اس محرومی کا شکار ہو جاتے جس طرح آج مشرقی پاکستان کے عوام ہیں۔

چند خفیہ ہاتھ جن کے پاس طاقت بھی ہے، آج کل چھ جماعتوں کی "مرکزی امن کمیٹی" بنوانے کی فکر میں ہیں، اور ان رہنماؤں کو مار مار کر جمع کر رہے ہیں، وزارتوں کا لالچ دے رہے ہیں یہ ساری کوششیں اس لئے ہیں کہ عوام کو اقتدار منتقل نہ ہو سکے۔ اب پہلا امکان یہی ہے کہ چھ جماعتوں کے متحدہ محاذ کو حکومت بنانے کی دعوت دی جائے گی۔ باخبر حلقوں کا کہنا ہے کہ صدر اور وزیر اعظم دونوں سیاسی پارٹیوں سے ہوں گے۔ اس کی تصدیق بھٹو صاحب کے ٹھٹھہ میں اس بیان سے ہو گئی ہے کہ اگر نور الامین کہتے ہیں۔ کہ وزیر اعظم مشرقی پاکستان کا ہونا چاہیئے۔ تو پھر مغربی پاکستان سے ہونے والا صدر بھی سیاستدان ہونا چاہیئے، مرکز میں غالباً اختیارات کی تقسیم اس طرح ہو گی کہ سب سے با اختیار ایک سپریم کونسل ہو گی جو سپریم کمانڈر انچیف کے تحت دو یا تین مزید اعلیٰ فوجی افسروں پر مشتمل ہو گی۔ صدر یحییٰ پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ مرکزی حکومت کو مارشل لاء کا تحفظ حاصل ہو گا۔ اس تحفظ کی عملی شکل اسی طرح ہو گی، صدر اور وزیر اعظم، ایک ہی گروپ سے بھی ہو سکتے ہیں۔ جو

۶ جماعتوں کی مرکزی امن کمیٹی نہیں چل سکے گی

اکثریتی گروپ حکومت بنانے کے لئے آگے آئے، وہ صدر اور وزیراعظم بھی اپنے پیش کر سکتا ہے۔ چھ جماعتوں کے متحدہ محاذ کی کوشش یہی ہے کہ وہ اپنی پوزیشن مستحکم بنا کر اعلان کردیں کہ ہمارے ساتھ اس قدر نشستیں ہیں۔ اس لئے ہمیں حکومت کی دعوت دی جائے اس میں ابھی تک کامیاب نہیں ہو پا رہے ہیں۔ فی الحال اندازاً صورت حال یہ ہے۔

اس طرح چھ سیاسی جماعتیں مجموعی طور پر پیپلز پارٹی سے کم نشستیں رکھتی ہیں، فیصلہ کن کردار کالعدم عوامی لیگ کے دستیاب اہل ارکان کو ادا کرنا ہے۔ یا تو وہ ان لوگوں سے ہاتھ ملا لیں جنہیں ان کے ساتھیوں نے انتخابات میں شکست فاش دی اور اب وہ عوام کا اعتماد حاصل کئے بغیر اسمبلی میں پہنچ گئے جبکہ عوام کی اکثریت اب بھی ان سے نفرت کرتی ہے، دوسری

پارٹی	مغربی پاکستان	مشرقی پاکستان	کل
پیپلز پارٹی	۸۸	۶	۹۴
۷ جماعتیں	۲۸	۵۴	۸۲
جمیعت علمائے اسلام اور آزاد امیدوار ریپ	۲۸	۱	۲۹
کالعدم عوامی لیگ کے اہل ارکان میں سے جو دستیاب ہیں	-	۴۵	۴۵
نشستیں جن کا فیصلہ باقی ہے	-	۲۰	۲۰
کالعدم عوامی لیگ کے اہل ارکان میں سے خالی نشستیں	-	۴۳	۴۳
کل	۱۴۴	۱۶۹	۳۱۳

صورت یہ ہے کہ وہ پیپلز پارٹی سے اشتراک کریں۔ اس طرح انہیں مغربی پاکستان کے عوام سے اعتماد حاصل کئے ہوئے نمائندوں کی حمایت حاصل ہوگی۔ اس طرح ۱۹۷۰ء کے باقاعدہ انتخابات میں عوام کا زبردست اعتماد حاصل کرنے والے عوامی نمائندوں کا ایک گروپ برسر اقتدار آئے گا مصنوعی کامیابی حاصل کرنے والوں کا نہیں، یہ گروپ پھر خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ صدر اور وزیراعظم میں سے کون مشرقی پاکستان سے ہو اور کون مغربی پاکستان سے۔ اختیارات تو تقریباً دونوں کے برابر ہوں گے، سوال صرف یہ ہے کہ صدر اور وزیراعظم ہم خیال ہوں اور وہ آہستہ آہستہ ایسے اقدامات کریں کہ انہیں مکمل طور پر عوام کا اعتماد حاصل ہو جائے اور پھر سیاسی عمل ایسے انداز سے شروع ہو کہ غیر سیاسی قوتوں کو اپنے منصب پر واپس جانے کا موقع ملے، اور پاکستان کی تاریخ سے یہ غلط روایت ختم ہو۔

پیپلز پارٹی اور کالعدم عوامی لیگی ارکان کے مل جانے سے ۱۳۹ ارکان اسمبلی ہو جائیں گے، اس کے بعد جمیعت علمائے اسلام اور نیپ ولی کے ارکان کا تعاون بھی حاصل ہو جائے تو ۱۵۰ کے قریب کی واضح اکثریت حاصل ہو سکتی ہے۔ سیاسی عمل شروع ہونے سے ممکن ہے عوامی لیگ کے باقی اہل ارکان میں سے بھی کچھ سامنے آجائیں اور ایوان مکمل ہو جائے اس وقت اسمبلی کے کل ارکان کی تعداد ۲۷۴ ہے۔

آگے بڑھنے کا یہی راستہ ہے۔ ورنہ سیاہ طاقتوں کی سازش یہ ہے کہ غیر نمائندہ لوگوں کو سامنے لایا جائے۔ تاکہ دونوں حصوں کے عوام میں محرومی کا احساس برقرار رہے حالات خراب رہیں مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کو محروم کر کے یعنی مغربی پاکستان کے عوام کو محروم کر کے، مغربی پاکستان میں کیسے امن و امان برقرار رہے گا۔ اگر کالعدم عوامی لیگ کے ارکان صوبائی خود مختاری اور معاشی انقلاب کے اصولوں کو قربان کر کے چھ جماعتوں سے مل جاتے ہیں تو ان کی موجودگی سے ممکن ہے مرکز میں مشرقی پاکستان کے عوام کی نمائندگی ہو جائے مگر پھر مغربی پاکستان محروم رہے گا۔ اور یہاں کے عوام خاموش نہیں بیٹھیں گے مسٹر بھٹو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ حکومت ۹۰ روز سے زیادہ نہ چل سکے گی بہتری اس میں ہے کہ اب شکست خوردہ لیڈر اپنی شکست تسلیم کر لیں اور اپوزیشن میں بیٹھنا گوارا کر لیں، وہ یاد کریں کہ یہی مشورہ وہ مارچ ۷۱ء سے پہلے پیپلز پارٹی کو دیا کرتے تھے۔

کاپی پریس میں جا رہی تھی تو اطلاع ملی کہ چھ کی بجائے سات جماعتوں کا اتحاد ہو گیا ہے۔ قارئین کرام مضمون میں چھ جماعتوں کی جگہ سات جماعتیں پڑھیں۔

حسین رفیق

عید کا چاند

اُونچے محلوں سے دیکھا اُونچے لوگوں نے عید کا چاند
خُوشیاں بن کر چاندنی بکھری ہوگئیں اُن کی آنکھیں ماند

ہم نیچی بستی والے دیکھیں گے اُس دن عید کا چاند
عید کا سُورج بن کر جس دن اُبھرے گا یہ عید کا چاند



سفر جاری ہے

خیبر سے کراچی تک لوگوں کو بیدار کرنے والی آواز اب بھی گرج رہی ہے

محمود شام

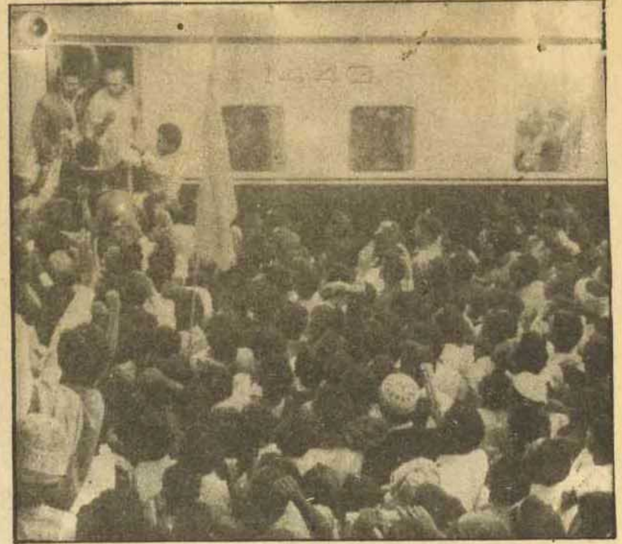
یہ سفر بہت پہلے شروع ہوا تھا۔ اسکی جھلکیاں آپ بھی دیکھ چکے ہیں دسمبر ۱۹۷۰ء میں اس کا ایک مرحلہ ختم ہوا اور پھر مغربی پاکستان مشرقی پاکستان میں پہنچا۔ امید دں آرزوؤں کے ساتھ گولیوں کے ساتھ نہیں۔ مارچ ۱۹۷۱ء کا مہینہ ہماری تاریخ کا سب سے بڑا المناک مہینہ۔ جس سے پاکستانی کے ہاتھوں پاکستانی کے قتل ہونے کی بنا پڑی۔ یہ خون اب تک بہہ رہا ہے۔ لاکھوں ہم وطن، ہم وطنوں کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے۔ کون شہید ہوا کون ہلاک کسے معلوم۔ کس نے وطن کے لئے جان دی کس نے اصولوں پہ جان کی بازی لگائی۔ ابھی کوئی نہیں جانتا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ پاکستان اپنے لاکھوں بیٹوں سے محروم ہو گیا۔ بستیاں تاراج ہو گئیں۔ نفرت کی دیوار کھڑی ہو گئی آج آٹھ مہینے گذرنے کے بعد بھی ہم اپنے زخموں کو بھر نہیں سکے، نوکر شاہی اور غیر نمائندہ حکومت نے اپنی نااہلی کی بنا پر ہمیں بیرون خستہ بھی رسوا کر دیا۔ ہمارے دشمن نے ہماری کمزوری سے فائدہ اٹھا کر پراپیگنڈے کی مہم تیز کر دی ہے۔

اس سفر کا راستہ بھول بھلیوں میں ڈھل گیا ہے۔ سفر جاری ہے۔ اب بھی وہی امید ہے وہی آس ہے۔ راستہ پہلے سے زیادہ خطرناک ہو گیا ہے۔

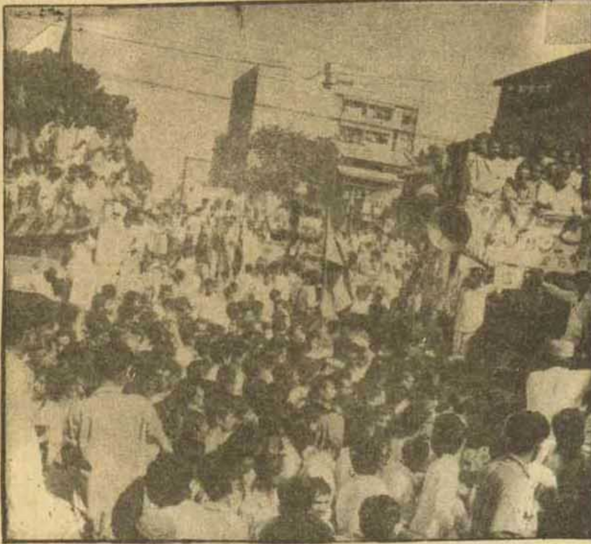
خیبر سے کراچی تک، لوگوں کو بیدار کرنیوالی آواز اب بھی گرج رہی ہے۔ گونج رہی ہے۔ کراچی میں یہ آواز ۲۳ مارچ ۱۹۷۱ء۔ اور پھر ۱۱ ستمبر ۱۹۷۱ء کے بعد پہلی بار گونجی۔ مسٹر بھٹو ۲۳ اکتوبر کو کراچی سے قاہرہ روانہ ہوئے۔ یہ سفر ۲۲ اکتوبر سے جاری ہوا۔ اس سفر کے مقامات مختلف تھے، روٹ مختلف تھے مگر منزل ایک تھی۔ قاہرہ، جینوا، پیرس، روم، کراچی، پنڈی پیکنگ، پنڈی، جہلم، لالہ موسیٰ، گجرات، لاہور، ساہیوال ملتان، بہاولپور، رحیم یار خان، نواب شاہ، حیدر آباد، کراچی، یہ سفر کتنا طویل ہے۔ کون جانے کب تک جاری رہے گا۔ پنڈی سے لاہور، پھر لاہور سے حیدر آباد تک پنجاب اور سندھ کے غریب عوام اس شخصیت کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے جوق در جوق پہنچے۔ وہ ہمہ تن نظارہ تھے، ہمہ تن گوش تھے۔ پہلے انہوں نے اسے الیکشن کے دوران چاہا تھا، پھر الیکشن کے بعد جب وہ فاتح بن کر شہر شہر شکریے کے لئے گیا تو پھر لوگوں



ایک چوہا ——— کھسک رہا ہے



کوٹری میں مہاجر بھی تھے اور سندھی بھی ۔ سب کا نعرہ ایک تھا ۔ سب کی آواز ایک تھی



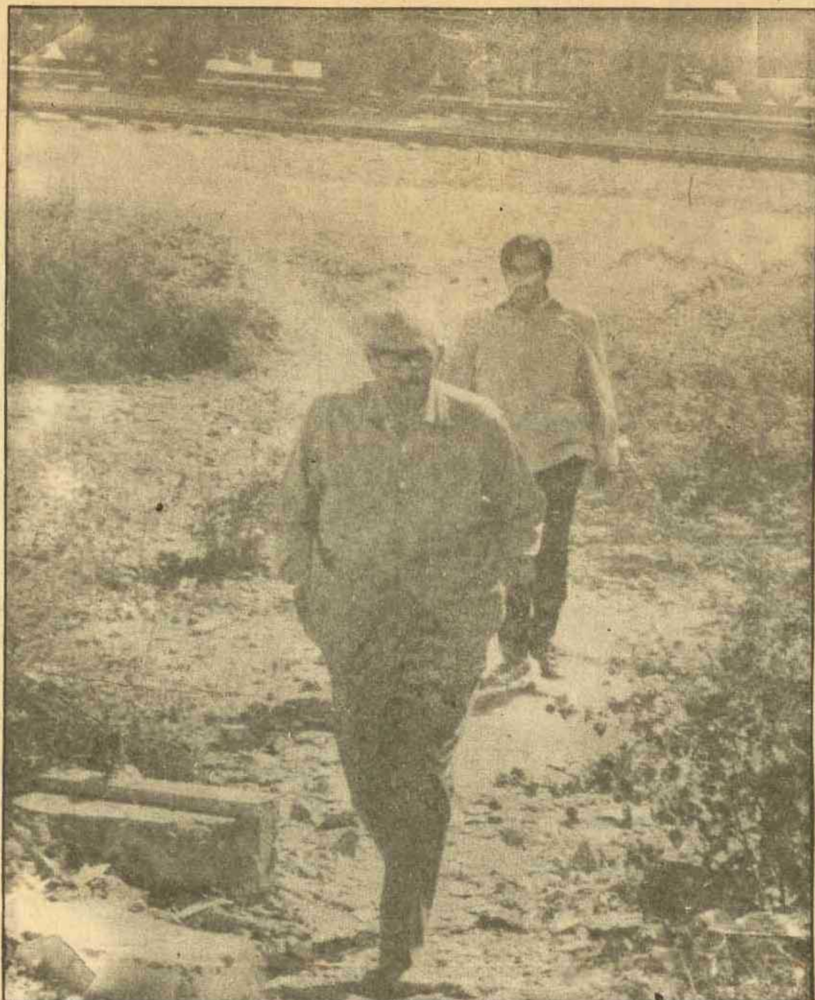
صدر بازار کراچی میں عوام نے بھٹو پر عقیدت کے پھول نچھاور کیئے ۔

نے امیر کا استقبال کیا ۔ اس کے بعد وہ ایک ایسے دورے سے واپس آ رہا تھا ۔ جس سے پاکستان کے کروڑوں عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی ۔ ایک دوست ملک ، ایک اصولی ملک کے دورے سے ۔ جس نے ہر مشکل وقت میں پاکستان کے عوام کا ساتھ دیا ۔ اس عظیم دوست ملک سے بات چیت کے بعد مسٹر بھٹو لوٹے تو ہر شہر میں پاکستان کی لاکھوں آنکھیں ہمہ تن دید ار بن گئیں ۔ بچے ، بوڑھے ، مرد ، عورتیں عقیدت ، محبت لے کر پہنچیں ان کی امیدیں اور آرزوئیں اب اس شخصیت کے ساتھ وابستہ ہیں ۔ الیکشن کو ایک سال گزر گیا ۔ ابھی تک عوامی حکومت نہیں بن سکی ہے ۔ حالات خراب ہوتے جا رہے ہیں ۔ لیکن بھٹو کی بات سننے اور دیکھنے کے لئے آنے والے بتا رہے ہیں ۔ کہ ابھی ان میں ہمت ہے ۔ اور انہیں کوئی آواز دینے والا ہو تو وہ یقیناً گلیوں سڑکوں پر نکل آئیں گے ، خواہ انہیں اپنے اندرونی دشمنوں کے لئے بلایا جائے یا بیرونی دشمنوں کے مقابلے کے لئے آواز دی جائے ۔

میں حیدرآباد کے سٹیشن پر صبح چھ بجے پہنچا تو معلوم ہوا کہ گاڑی تین گھنٹے لیٹ ہے ۔ لوگ جمع ہو رہے تھے ، غریب ، ہاری ۔ طالب علم چین کے پرچم اٹھائے ہوئے ۔ نوجوان بھٹو کی تصویریں لیے ہوئے ۔ گاڑی دس بجے آ رہی تھی ۔ بعد میں اعلان ہوا کہ ۹ بجے آ رہی ہے ۔ سٹیشن عوام سے پر تھا ۔ گاڑی پہنچی ہجوم اس ڈبے کی طرف بہنے لگا ۔ جس میں بھٹو بیٹھے تھے ۔ انہوں نے آ کر ہاتھ ہلا کر اپنا خیر مقدم کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا ۔ اور مختصر سی تقریر کی یہاں سے میر رسول بخش تالپور ، سندھ پیپلز پارٹی کے صدر بھی ساتھ ہو لئے ۔ گاڑی پھر کوٹری جا کر رکی ۔ یہاں بھی ہجوم کا وہی عالم تھا ، سندھی بھی تھے ، مہاجر بھی ۔ سب ایک ساتھ تھے ، ان کے ایک نعرے تھے ۔ ایک آواز تھی ۔ کوٹری میں گاڑی زیادہ دیر رکی ۔ اس لئے تقریر بھی ذرا طویل ہو گئی ۔ یہاں ہمیں معلوم ہوا کہ مسٹر دولتانہ بھی اسی گاڑی سے جا رہے ہیں ۔ فاروق مینن نجم الحسن ، اور الطاف رانا ڈبے کی طرف گئے ۔ جس ڈبے میں وہ بیٹھے تھے ۔ اس پر "لیڈیز کمپارٹمنٹ" لکھا ہوا تھا ۔ اب ظاہر ہے کہ ہم "مستورات" سے بات تو نہیں کرنے آئے تھے ۔ ہم ہم انہی قدموں پر لوٹ آئے ۔ کوٹری کے بعد گاڑی آہستہ آہستہ چلتی رہی ۔ کیونکہ کئی جگہ سے پٹڑی بن رہی ہے ۔ یہ گذشتہ کئی برس سے بن رہی ہے ۔ اور جانے کب تک بنتی رہے ۔ اب جنگ شاہی آ گیا ہے ، یہاں بھی عوام کا ہجوم ہے ۔ لوگ مسٹر بھٹو کو سننا چاہتے ہیں مگر بالکل ہجوم کی وجہ سے بھٹو صاحب تک نہیں پہنچ سکا ٹرین چل پڑی ہے ۔ بھٹو صاحب یہ وعدہ کر کے کہ ہم ہم اتار نہیں کو آئیں گے ۔ ڈبے میں چلے آئے ۔ مگر گاڑی تھوڑی دور جا کر رک گئی ۔ مائیک والے جیپ سمیت پلیٹ فارم پر آ گئے ہیں ۔ بھٹو صاحب کو پھر ڈبے سے نکل کر خطاب کرنا پڑا ہے ۔ ہاری خوش ہیں ۔ طالب علموں کی آنکھیں چمک رہی ہیں ۔ اب کراچی آنے تک راستے میں کوئی سٹیشن نہیں ہے ۔ لانڈھی پر گاڑی رکی اور پھر چل پڑی ۔ میں سوچ رہا ہوں کہ دولتانہ صاحب کو کینٹ سٹیشن پر بڑی بوکھلاہٹ ہو گی ۔ بھٹو کا استقبال اور عوام کی ہمت دیکھ کر کہیں انہیں کچھ ہو نہ جائے ۔ ممکن ہے کہ وہ پہلے ہی کسی اسٹیشن پر اتر جائیں ۔ ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ گاڑی اچانک ڈرگ روڈ کے سٹیشن سے پہلے ہی رک گئی ہے ۔ جانے کیا بات ہے ۔ ارے وہ دولتانہ کھسک گئے ۔ چلو ، انا ابھیری



کراچی کینٹ اسٹیشن —— پاک چین دوستی زندہ باد ۔ ماؤزے تنگ زندہ باد ، ذوالفقار علی بھٹو زندہ باد



دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو ـــــــ ممتاز دولتانہ کی کہانی تصویر کی زبانی

ڈرگ روڈ پر گاڑی رکی اور دولتانہ کھسک گئے

تصویر۔ تصویر۔ رانا بھاگا اور ایک مال گاڑی کے نیچے سے گذر کر دولتانہ کے سامنے پہنچ گیا۔ کچھ لوگ شور مچا رہے ہیں "چوہا جا رہا ہے۔ چوہا جا رہا ہے"۔ بھٹو صاحب نے بھی کھڑکی سے اس لیڈر کو جاتے دیکھا اور کہا یہ بھی لیڈر ہیں جو عوام سے ڈرتے ہیں۔

بہرحال دولتانہ صاحب نے اپنی عافیت اسی میں جانی اور ڈرگ روڈ پر کھڑے ہو کر ٹیکسی کا انتظار کرنے لگے۔ گاڑی چل پڑی۔ ہم دولتانہ، الطاف رانا اور سن کے فوٹو گرافر حسن یوزئی کو وہیں چھوڑ آئے گاڑی کینٹ سٹیشن پر پہنچ رہی تھی۔ نعرے سنائی دے رہے تھے سٹیشن پر توقع سے کم ہجوم تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ہجوم کو باہر ہی روک دیا گیا تھا۔ پیپلز گارڈ اور پولیس نے ٹرک تک راستہ بنا رکھا تھا۔ پہلی بار ایسا باقاعدہ انتظام ہوا ہے۔ ہم بھاگ کر ٹرک میں بیٹھ گئے۔ پھر جلوس روانہ ہوا، اور ایمپرس مارکیٹ اور وکٹوریہ روڈ سے گزر کر فوارے والے چوک پہ ختم ہوا۔ یہاں جناب بھٹو نے جلوس نے خطاب کیا۔ اُن کی تقریر کے اہم اقتباسات یہ ہیں :-

• بھارت نے مشرقی پاکستان میں تباہی کے منصوبے بنائے لیکن عوام کے اتحاد نے انہیں ناکام بنا دیا۔ بھارت شاید ہمیں کمزور سمجھتا ہے۔ جگ جیون رام کہتا ہے کہ "ہم آئیں گے۔ پاکستان کے شہروں پر قبضہ کریں گے"۔ میں پوچھتا ہوں "جگ جیون رام کس شہر پر قبضہ کر لو گے اور کیسے کر لو گے" اب اگر بھارت نے جنگ کی تو یہ فوجوں کی جنگ نہیں ہو گی۔ اس میں عوام بھی شریک ہونگے کوئی ہمارے شہروں پر قبضہ نہیں کر سکتا۔

• اب اگر جنگ ہوئی تو برصغیر کی تقدیر کا آخری فیصلہ ہو گا۔

• اندرا گاندھی کہتی پھر رہی ہے کہ ہم چین سے خالی ہاتھ واپس آئے ہیں، میں کیوں بتاؤں کہ میں ناکام آیا یا کامیاب، جو باتیں ہمارے مفاد میں ہیں ہم ان کا برملا اظہار نہیں کریں گے سارے پتے میز پر نہیں پھینک دیئے جاتے۔

• برصغیر کا فیصلہ برصغیر کی زمین پر ہی ہو گا۔ ماسکو، دلی یا پیرس میں نہیں۔

• اندرا گاندھی نے کہا ہے کہ وہ پاکستان کی غیر سیاسی حکومت سے کیسے بات چیت کرے تو میں اس سے کہتا ہوں کہ ایک یا دو مہینے میں عوامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ پھر اگر بات کرو تو ہم بات بھی کر لیں گے۔ اگر لڑائی چاہو گی تو لڑیں گے بھی ہم نے یہ ملک بڑی قربانیاں دے کر حاصل کیا ہے اور ہم کسی صورت میں بھی کسی کی غلامی برداشت نہیں کر سکتے۔ بھارت کی غلامی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اندرا گاندھی کے لئے بہتر ہے کہ ہتھیار رکھ کر بات کرے اب اگر جنگ ہوئی تو برصغیر کی تقدیر کا آخری فیصلہ ہو گا۔

• اندرا گاندھی پروپیگنڈا کر رہی ہے کہ پاکستان کو چین سے کچھ نہیں ملا اور میں خالی ہاتھ آیا ہوں، ہاں درست ہے خالی ہاتھ آئے اور اندرا گاندھی کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں لیکن زنجیروں سے اس نے روس سے معاہدہ کر کے زنجیریں پہن لی ہیں اسے پتہ نہیں یہ کتنا خطرناک کام ہے ہم نے بھی بڑی طاقتوں سے معاہدے کئے تھے۔ اب اندرا کو بھی معاہدوں کا پتہ چلے گا۔

• چین سے ہماری دوستی تاریخی دوستی ہے اس کے ثبوت کے لئے معاہدوں یا مشترکہ اعلانوں کی ضرورت نہیں، چین ہمارے ساتھ ہے، سچ حق اور انصاف ہمارے ساتھ ہے چین کا بنیادی اصول ہے کہ دوسرے ملکوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کی جائے ہماری پارٹی نے بھی یہ اصول اپنا رکھا ہے یہ اصول بنڈونگ کے پانچ اصولوں میں ایک اہم اصول ہے۔

• پیپلز پارٹی کا بنیادی اصول عوام سے رابطہ رکھنا ہے۔ اور ہم نے بدستور عوام سے رابطہ رکھا ہے کیونکہ عوام سے رابطہ کے بغیر ملک میں کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی، جن سیاسی جماعتوں نے عوام سے رابطہ نہیں رکھا۔ عوام نے انہیں مسترد کر دیا۔ اور پیپلز پارٹی کو ووٹ دیئے۔ جن لوگوں نے شکست کھائی آج وہ کہتے ہیں کہ پیپلز پارٹی کی اکثریت صرف دو صوبوں میں ہے میں پوچھتا ہوں کہ کیا پاکستان میں بیس صوبے ہیں اور کیا ان کی اکثریت دس صوبوں میں ہے۔

• اب چھ شکست خوردہ سیاسی جماعتیں اتحاد کر رہی ہیں سبحان اللہ! ہم بھی تو متحد ہو رہے ہیں لیکن ہمارا اتحاد اور ہے ہم کسانوں، مزدوروں، طالب علموں، دانشوروں، صحافیوں غریب سرکاری ملازموں اور چھوٹے دکانداروں سے اتحاد کر رہے

الفتح



حیدر آباد ــــ سندھی مہاجر بھائی بھائی اور بھٹو زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا



جنگ شاہی۔ تیز گام کو رکنا پڑا اور عوام نے بھٹو کو خراج تحسین پیش کیا۔

ابھی اُن میں ہمّت ہے کوئی آواز دینے والا ہو تو وہ یقیناً گلیوں اور سڑکوں پر نکل آئیں گے

ہیں، جبکہ پارٹیوں کا اتحاد کاغذی ہے۔ وہ عید پر عوام کو اس اتحاد کا تحفہ دیں گی، ہمارا اتحاد کارخانوں، اسکولوں، کھیتوں اور بازاروں میں ہے۔ ہماری سیاست عوام کی سیاست ہے، ہم محلاتی سازشیں نہیں کرتے ہم براہ راست عوام سے رابطہ رکھتے ہیں۔

• ستمبر ۶۵ء کی جنگ کے بعد بڑے بڑے ہیرو میدان میں آئے ہر ایک کہتا تھا میں نے جنگ جیتی۔ اب کہاں ہیں۔ وہ صاحبان اب پھر خطرہ ہے اگر وہ ۶۵ء کے ہیرو تھے تو آج بھی نظر آئیں۔ اب بھی ملک کی حالت نازک ہے۔ مشرقی پاکستان کے حالات پیچیدہ ہیں۔

• جب انتخابات ختم ہوئے تو ہم نے مارچ کے بعد مطالبہ کیا کہ اقتدار عوام کے نمائندوں کو منتقل کیا جائے کیونکہ سیاسی مسائل اور سیاسی بحران کا حل عوام کے نمائندے ہی نکال سکتے ہیں جناب بھٹو نے کہا شکست خوردہ جماعتوں نے پیپلز پارٹی پر اقتدار کی ہوس کا الزام لگایا۔ آج یہی جماعتیں کہہ رہی ہیں کہ اقتدار صدر کے پروگرام سے پہلے ہی منتقل کر دیا جائے ہم نہیں سمجھتے ان کی سیاست کی کیا منطق اور کیا اصول ہے انہوں نے کہا اب تو حکومت کو بھی احساس ہو گیا ہے کہ کافی دیر ہو چکی ہے، اس لئے سارے کام جلدی جلدی کئے جا رہے ہیں ۲۷ دسمبر کو قومی اسمبلی کا اجلاس ہو گا اور فوراً بعد حکومت قائم کر دی جائے گی کیونکہ تین یا چار افراد سے اتنی بڑی حکومت نہیں چل سکتی۔

• میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر ہمیں اقتدار مل بھی گیا۔ تو ہمارے سر پر کوئی تاج نہیں سج جائے گا۔ ملک کا خزانہ خالی ہے اقتصادی بحران ناگزیر ہے۔ ہمیں دن رات کام کرنا ہو گا۔ اور محنت کرنی ہو گی۔

• پیپلز پارٹی ان جماعتوں کے ساتھ کسی حکومت میں شریک نہیں ہو گی جو شکست خوردہ جماعتوں کی حکومت ہو گی میں پھر اعلان کرتا ہوں کہ ایسی حکومت کو عوام کے تعاون سے ہم چالیس دن کے اندر ختم کر دیں گے۔ ہماری جیت عوام کی جیت ہے۔ عوام کی حکومت ضرور بنے گی فوری طور پر نہ سہی چالیس دن کے بعد تو بنے گی۔ ہم برطرفیاں اور بے دخلیاں ختم کر دیں گے۔

• اس وقت سازش ہو رہی ہے کہ اگر پیپلز پارٹی کی حکومت بنائی گئی تو سندھ میں سندھی اور مہاجر کا جھگڑا کھڑا کر دیا جائے گا۔ بھائیو خدا کے لئے اس سازش کا شکار نہ ہونا آپس میں نہ لڑنا غریب سندھی اور غریب مہاجر سب بھائی بھائی ہیں، دونوں کے مسائل ایک جیسے ہیں

• ہمیں صرف عوام کی ہمدردی اور تعاون کی ضرورت ہے ہم نے اندرونی بحران اور بیرونی مسائل کا سامنا کرنا ہے اگر ہماری

باقی صفحہ ۴۲ پر ملاحظہ فرمایئے



لیبر سید مارکیٹ کراچی ــــ مجھے آپ کی مشکلات کا بھی علم ہے ــــ چھوٹے دکانداروں سے بھٹو کا خطاب

جوش نے کہا:

"سب دنیا سے اٹھے جاتے ہیں ایک میں بے غیرت رہ گیا ہوں"

افضل صدیقی

نوعمر ادیبوں کی انجمن "بزم امروز" ابھی میدان عمل میں نہیں آئی تھی بلکہ اخبار کے صفحات ہی تک محدود تھی کہ بھارت میں حضرت جگر مراد آبادی کا انتقال ہوگیا، چند ماہ قبل وہ پاکستان آئے تھے اور کراچی میں طویل قیام کے بعد واپس گئے تھے۔ یہاں ان کی آمد، قیام اور مصروفیات سے متعلق بہت سی تصویریں آنکھوں میں پھر رہی تھیں کہ ۹ ستمبر کو صبح ریڈیو کی خبروں سے معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے، میں اس روز اسٹار نیوز ایجنسی جانے کے بجائے پہلے امروز کے دفتر آیا کہ تفصیل معلوم کروں ابھی میں ٹیلی پرنٹر پر رات کی بچی خبروں کی طویل پٹی پر نظر ڈال ہی رہا تھا کہ قاضی ابرار صدیقی دفتر آگئے، آتے ہی انہوں نے مجھے پکڑ لیا کہ اب تم جا نہیں سکتے، کل جگر نمبر تمہیں نکالنا ہے۔ اسی وقت تیاری کرنے بیٹھ جاؤ اور تین بجے سہ پہر تک سب کچھ کتابت کے لئے دیدو، زیادہ سے زیادہ رات کے ۹ بجے کاپی پریس چلی جانی چاہیئے، انہوں نے یہ نادر شاہی حکم دینے کو تو دے دیا، مگر یہ نہ سوچا کہ میں اتنے کم وقت میں اتنے بڑے شاعر کے بارے میں مواد کس طرح اکٹھا کرسکوں گا، خیر یہ میرے لئے ایک چیلنج تھا۔

میں نے "اسٹار" کے دفتر میں وہیں سے فون پر اطلاع دے دی کہ آج میں کام کرنے نہیں آسکوں گا۔ اور پھر جگر صاحب کی یاد میں دو صفحے مرتب کرنے کا پلان بنانے بیٹھ گیا۔ اس پلان پر ابرار صاحب سے تبادلہ خیال کیا اور اللہ کا نام لے کر کام شروع کردیا۔ اس وقت دن کے گیارہ بجے تھے۔ سب سے پہلے میں نے جوش صاحب کو فون کیا۔ اور ان سے درخواست کی کہ جگر صاحب سے اظہار تعزیت کے طور پر مختصر پیغام تحریر فرما دیجئے، میں تھوڑی دیر خود حاضر خدمت ہو کر لے جاؤں گا، انہیں فون کرنا اور اس باب میں انہیں لکھنے پر آمادہ کرنا کانٹوں کے جھاڑ میں جان بوجھ کر الجھنے کے مترادف تھا، مگر میں نے جوش صاحب کو زیر کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ غزل کے دشمن جانی ہیں اور جگر صاحب سے کسی زمانہ میں ان کی چشمک رہ چکی ہے، ایسی صورت میں ان کا رئیس المتغزلین جگر کے بارے میں کچھ کہنا معجزہ ہی ہوگا، بہرحال میری درخواست سن کر وہ کچھ جز بز ہوئے اور کہنے لگے "ہاں بھئی سب اٹھے چلے جارہے ہیں ایک میں ہی بے غیرت رہ گیا ہوں، مگر جناب میں پیغام دیام نہیں دیا کرتا۔ یہ سب لغویت ہے" میں اصرار کئے گیا۔ مگر وہ آمادہ نہیں ہوئے۔ آخر عاجز آکر میں نے کہا "تو قبلہ میں پھر آپ کی طرف سے اتنا ہی لکھے دیتا ہوں کہ جوش صاحب نے جگر صاحب کی وفات پر اپنے قلبی تاثر کا اظہار اسی طرح کیا ہے کہ "سب اٹھے چلے جارہے ہیں۔ ایک میں ہی بے غیرت رہ گیا ہوں" اب وہ گھبرائے۔ نہیں بھئی نہیں۔ اچھا تو آپ ایسا کریں مجھے گھنٹہ بھر بعد پھر فون کرلیں، میں نے شکریہ ادا کیا اور فون بند کردیا۔

جوش صاحب کی طرف سے تھوڑا سا اطمینان ہوجانے کے بعد میں نے زیڈ اے بخاری، ادیب سہارنپوری (مرحوم) تابش دہلوی، مولوی ماہر القادری اور اقبال صفی پوری کو فون کر کے ان سے تعزیتی پیغامات حاصل کرلئے، انہیں کتابت کے لئے دے دیا، اور خود مضمون لکھنے بیٹھ گیا، عنوان تھا۔ "غزل کا سہاگ اجڑ گیا"۔ "امروز" میں اسی عنوان سے ڈھائی کالم کا مضمون چھپا، مضمون کتابت کے لئے دینے کے بعد میں دفتر سے نکلا، جوش صاحب سے فون پر بات کئے ہوئے دو گھنٹے سے زیادہ ہوچکے تھے اور میں نے ان کے حکم کے مطابق ایک گھنٹہ کے اندر دوبارہ فون نہیں کیا تھا۔ بلکہ بغیر فون کئے ان کے کشرت کدے پر جا پہنچا، یہ میری جوش صاحب سے پہلی ملاقات تھی۔ اس وقت حضرت جوش دیوان خانے میں تخت پر بیٹھے پیاری آگے دھرے کتھا چونا چاٹ رہے تھے، میں نے تعارف کرایا اور عرض کیا کہ آپ نے جگر صاحب کے بارے میں اپنے تاثرات قلم بند کرلئے ہوں تو عنایت فرما دیجئے۔

یہ سنتے ہی وہ مجھے ڈانٹنے لگے، "آپ نے فون کیوں نہیں کیا پہلے"۔ میں نے جھوٹ بولا کہ "فون خراب ہوگیا تھا۔ اس لئے آپ سے رابطہ قائم نہیں ہوسکا۔ اسی لئے خود حاضر خدمت ہونے کی جسارت کر بیٹھا"۔

جوش صاحب بولے "آپ نے اچھا کیا آگئے، میں نے گھنٹہ بھر بعد فون کرنے کے لئے اس لئے کہا تھا۔ کہ میں فون پر پہلے آپ کو سنا دوں جو میں نے لکھا تھا، یہ نہ ہو کہ میں جو کچھ لکھ دوں وہ آپ کے نزدیک قابل اشاعت قرار نہ پائے" یہ سن کر میں دل میں سخت نادم ہوا اور ان سے صرف اتنا کہا "آپ جو کچھ تحریر فرمائیں گے وہ ناممکن ہے کہ نہ چھپے" اور پھر انہوں نے گاؤ تکیے کے نیچے سے تہہ کیا ہوا کاغذ مجھے تھما دیا۔ اور کہنے لگے "دیکھ لیجئے کوئی ترمیم مقصود ہو تو مجھ سے بے جھجک کہہ دیجئے"۔ میں نے عرض کیا "یہ امروز کے لئے آپ کا تبرک ہے اس میں بیشی کی تو گنجائش ہے کمی کی گنجائش بالکل نہیں"۔ جوش صاحب نے کہا "تو پھر لے جایئے، مزید کچھ لکھنا نہیں چاہتا" اس وقت میں نے ان کی زحمت کا شکریہ ادا کیا۔ اور اجازت لے کر چلا آیا۔

جوش صاحب نے جگر صاحب کے بارے میں کاپی سائز کے کاغذ کے دونوں طرف جو کچھ لکھا تھا، اسے پڑھ کر میں حیران رہ گیا۔

جہاں امروز نے دفتر قائم کیا، اب وہاں اخبارات کی ایک دُنیا ہے

غزل اور جگر کے بارے میں ان کا جو رویہ تھا یہ تحریر اس کے بالکل برعکس تھی، جوش صاحب کے بعد میں تابش دہلوی، نواب اصطفٰے خان اور ادیب سہارنپوری کے پاس پہنچا، نواب اصطفٰے خان کی کوٹھی عامل کالونی میں ہے۔ جگر صاحب سے ان کے بہت پرانے تعلقات تھے۔ اور جگر صاحب کراچی آتے تھے تو ان ہی کی کوٹھی پر قیام کرتے تھے۔ ان کے دیوان خانے میں وہ ساری ساری رات تابش، ادیب سہارنپوری، اقبال صفی پوری وغیرہ کے ساتھ تاش کی محفلیں جمائے رکھتے تھے، اجورات کسی مشاعرہ کی نذر نہ ہوتی تھی۔ وہ اس کی نذر ہو جاتی تھی۔ ادیب سہارنپوری اور تابش سے جگر صاحب کے کچھ خطوط مل گئے۔ نواب اصطفٰے خان صاحب نے جگر صاحب کی تین چار نادر تصویریں دے دیں اور چند خطوط بھی، اور سختی سے تاکید کی یہ تصویریں اور خط بالکل خراب نہ ہوں اور چھاپنے کے بعد فوراً لوٹا دیئے جائیں۔ نواب صاحب اس قدر دل گرفتہ تھے کہ بات کرتے ہوئے بار بار رو پڑتے تھے اور جگر صاحب کی دی ہوئی ایک ایک چیز لا لا کر مجھے دکھا رہے تھے اس سے ان کی جگر صاحب سے جذباتی وابستگی کا اظہار ہوتا تھا۔

اس زمانے میں فوٹو جرنلزم کا اتنا رواج نہیں تھا۔ اور نہ فوٹو آفسٹ کی چھپائی نے زور پکڑا تھا۔ ورنہ میں جگر صاحب کے دوستوں کی تصویریں بنوانے کیلئے فوٹو گرافر کو ساتھ لے جاتا پھر بھی میں نے جگر صاحب کی ان کے اپنے دوستوں کے ساتھ کھینچی ہوئی کئی تصویریں نواب صاحب سے حاصل کر لیں اور ان کے ذاتی تاثرات بھی نوٹ کر لئے اور اپنے مضمون ہی میں انہیں ٹانک دیا۔

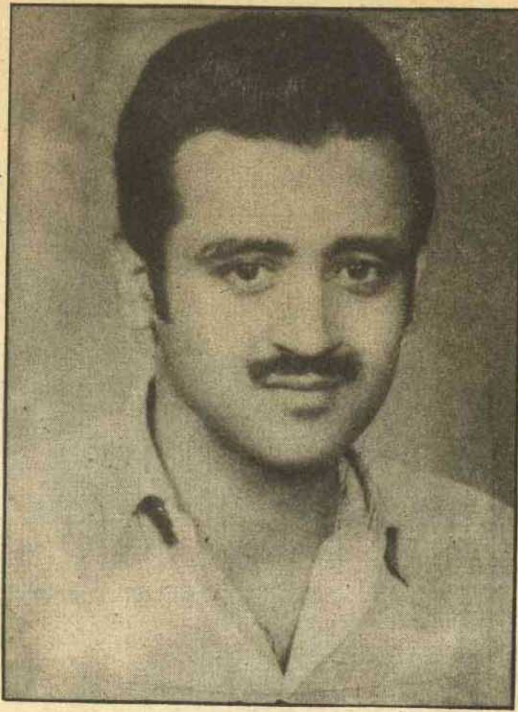
ساری چیزیں لے کر دفتر آیا۔ تصویروں کے بلاک بننے کے لئے دیئے اور مضامین کتابت کے شعبہ کے حوالے کر دیئے تابش، ادیب سہارنپوری اور ماہر القادری کے ذریعہ جگر صاحب کا کچھ غیر مطبوعہ کلام بھی مل گیا تھا۔ یہ غیر مطبوعہ کلام، تصویریں میرا مضمون، پیغامات، جگر صاحب کے خطوط یہ سب مل ملا کر دو صفحوں کا مواد تیار ہو گیا تھا۔ ۸ بجے کتابت اور تصحیح کے بعد ساری چیزیں مجھے مل گیئں اور ۹ بجے کاپی جوڑنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ گیارہ بجے کاپی مکمل کر کے پریس بھیج دی گئی اور میں سیدھا گھر آ کر تھکن سے نڈھال ہو کر بستر پر گر پڑا، لیکن صبح ۶ بجے ہی ہاکر کی آواز کے ساتھ میری آنکھ کھل گئی۔ اخبار دیکھا تو اطمینان بخش پایا کتابت کی چند غلطیوں کے سوا کوئی قابلِ ذکر گھپلا نہیں ہوا تھا، بہرحال میں اپنی جگہ مطمئن ہو گیا کہ میری آبرو رہ گئی۔ ۱۰ بجے دفتر پہنچا تو معلوم ہوا کہ شہر کے دانشور اور عام پڑھے لکھے طبقے میں آج کے امروز کے خاصے چرچے ہیں۔ چرچا اس لئے زیادہ ہوا کہ امروز کے سوا کسی اور اخبار نے جگر صاحب کو خراج عقیدت پیش نہیں کیا تھا، بس صرف انتقال کی خبر چھاپی تھی:

اس نمبر کی اشاعت کے بعد ایڈیٹر صاحب کا مجھ پر اعتماد بڑھ گیا تھا۔

امروز میں سب قلندر لوگ تھے۔ آج سے غرض رکھتے تھے اور کل کا غم نہیں پالتے تھے۔ امروز جب کراچی سے نکلا تو ایک ہوٹل میں دفتر قائم کیا گیا تھا۔ میں جب اس کے ادارہ میں شامل ہوا تو دفتر میکلوڈ روڈ اور کچہری روڈ کے چوراہے سے ہٹ کر بجلی گھر کے سامنے قائم ہو چکا تھا اس کے برابر مارننگ نیوز کا دفتر تھا۔ یہ دونوں دفاتر اب بھی اسی پرانی جگہ پر اس مقام پر موجود ہیں جسے فلیٹ اسٹریٹ کہا جا سکتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ امروز کا دفتر لاہور کے پاکستان ٹائمز، اسپورٹس ٹائمز اور امروز کے ذیلی دفاتر میں تبدیل ہو چکا ہے اور مارننگ نیوز بدستور اسی پرانے دفتر سے نکل رہا ہے۔ اسی عمارت کے سامنے بجلی گھر کے قریب ایک اور عمارت ہے جس کا نام اخبار منزل ہے یہ عمارت ناظر پرنٹنگ پریس کے مالک سید ناظر علی کی ہے جو خود بھی اخبار نویس رہ چکے ہیں، دلی سے ادبی فلمی ماہنامہ آریہ ورت نکلا کرتے تھے جو اپنے دور میں معرکہ کا پرچہ سمجھا جاتا تھا۔ اسی اخبار منزل سے دو بڑے اردو اخباروں جنگ اور انجام نے اپنی زندگی کا آغاز کیا تھا اور کامیابی اور ترقی کی منزلوں پر پہنچے تھے۔ اسی اخبار منزل میں اب ڈیلی پاکستان ڈھاکہ کا ذیلی دفتر اور ایک فلمی ہفت روزہ کا دفتر ہے اس کا ذکر اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس جگہ کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے، اب یہ صورت ہے کہ مشرق کو چھوڑ کر سبھی اخباروں کے دفاتر قریب قریب ہیں۔ اور اسی علاقہ میں اے پی پی اور پی پی آئی دو بڑی خبر رساں ایجنسیوں کے دفاتر بھی ہیں، جس زمانے میں امروز اس جگہ سے شائع ہوا کرتا تھا۔ تو آس پاس سوائے مارننگ نیوز کے کسی اخبار کا دفتر نہیں تھا۔ اور اب اس جگہ نے اخباروں کے لئے فلیٹ اسٹریٹ اور ان جیسی مرکز کی اہمیت حاصل کر لی ہے اب جو کوئی نیا اخبار کراچی سے شائع کرنے کا منصوبہ بناتا ہے تو کوشش یہی کرتا ہے کہ اسی جگہ دفتر حاصل ہو جائے۔

امروز میں کام کرنے والوں نے جن میں منہاج برنا، طفیل احمد جمالی، قاضی ابرار صدیقی (ایڈیٹر) جعفر نقوی، ہارون سعد شامل تھے۔ کارکن صحافیوں کی ٹریڈ یونین قائم کرنے کی جدوجہد کی اور بالآخر اس کی داغ بیل ڈال دی۔ انہی ممتاز صحافیوں کے ساتھ بعد میں اے ٹی چوہدری، سلطان احمد اور صفدر قریشی بھی آملے اور سب نے مل کر ایوب خان کے دور کے وزیر محنت لیفٹیننٹ جنرل برکی کے ذریعہ اخباروں میں کام کرنے والے عامل صحافیوں کے لئے اجرتوں کا تعین کرا لیا یہ بہت بڑی کامیابی تھی جو کسی ٹریڈ یونین کو حاصل ہو سکتی تھی، ورنہ اس سے قبل صحافی مالکان اخبارات کے رحم و کرم پر گذارا کرتے تھے۔ یہ میں اس سے پہلے بھی لکھ آیا ہوں کہ امروز ہی وہ واحد اخبار تھا جس میں تنخواہوں کی شرح پہلے ہی مقرر تھی دوسرے اخباروں کی طرح صحافیوں سے بیگار نہیں لی جاتی تھی سرکاری قانون کے مطابق تنخواہوں کا اسکیل مقرر ہونے سے امروز کے کارکن صحافیوں کی تنخواہوں پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا تھا اسی لئے ہم لوگوں کو خوشی صرف اس بات کی ہوئی کہ سب اخباروں کے صحافیوں کے حالات کار بہتر بنانے کے لئے امروز کے سینئر صحافیوں کی طویل جدوجہد کامیاب ہو گئی۔ البتہ یہ خوشی دیرپا ثابت نہ ہو سکی کیونکہ تنخواہوں کے تعین کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی پروگریسو پیپرز لمیٹڈ پر ایوب خان کی حکومت کا قبضہ ہو گیا۔ اور یہ قبضہ اتنا مضبوط ثابت ہوا کہ اب تک چلا آ رہا ہے، میاں افتخار الدین کو جنہوں نے پروگریسو پیپرز لمیٹڈ کے تحت اخباروں کا سلسلہ جاری کیا تھا۔ یہ صدمہ کھا گیا اور وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکے، سرکاری کنٹرول کے بعد نئی انتظامیہ کو امروز کراچی سے ہونے والا نقصان برداشت نہ ہو سکا۔ اور اس نے اس اخبار کو بند کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کراچی کے امروز میں خسارہ میاں افتخار الدین کے زمانے میں بھی ہو رہا تھا اور انہیں ان کے دوستوں اور مشیروں نے اس اخبار کو بند کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر میاں صاحب کسی طرح بھی اخبار کو بند کرنے پر تیار نہیں ہوتے تھے، دراصل وہ امروز کے دامن سے وابستہ پچاس ساٹھ افراد کو بیروزگار دیکھنا نہیں چاہتے تھے حالات دیکھ کر خود کوئی امروز چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے تو ٹھیک ہے ورنہ انہوں نے ایڈیٹر پر کبھی دباؤ نہیں ڈالا کہ اسٹاف کم کیا جائے یا کسی اور طریقہ سے اخراجات کم کئے جائیں اصل میں اخراجات اور اسٹاف پہلے ہی کم تھا۔ اس میں مزید کمی کی

باقی صفحہ ۴۲ پر ملاحظہ فرمائیں



پنجاب یونیورسٹی کے نائب صدر راشد بٹ نے
مشرقی پاکستان میں کیا دیکھا۔

اب انہیں وفاداری کا سرٹیفکیٹ البدر سے لینا پڑتا ہے

وھاب صدیقی

"نفرت اور جنون کے سائے میں پروان پانے والے ایک گروہ کو مشرقی پاکستان میں مسلح کیا جا رہا ہے، ڈھاکہ چاٹگام اور نارائن گنج میں ان کے تربیتی کیمپ ہیں جہاں بندوقیں اور ہلکی مشین گنیں چلانے کی تربیت دی جاتی ہے۔ انسان سے نفرت، انسانی اقدار کی پامالی اور انسانی لہو سے ہولی کھیلنا اس گروہ کی گھٹی میں پڑ چکا ہے اس گروہ کی سرگرمیوں سے مشرقی پاکستان کے عوام میں خوف و ہراس پھیل گیا ہے کسی کی جان محفوظ نہیں نہ جانے کب اور کہاں سے کوئی گولی آئے اور ان کے جسم کو چاٹ جائے۔ دہشت پسندوں کا یہ گروہ جماعت اسلامی کی ذیلی تنظیم اسلامی جمیعت طلبا کا ہے۔ اس کی مسلح تنظیم کا نام "البدر" ہے"۔

ان خیالات کا اظہار جامعہ پنجاب کی یونین کے نائب صدر راشد بٹ نے ایک ملاقات کے دوران کیا۔ ماہ اکتوبر میں پنجاب یونیورسٹی کے سات رکنی وفد نے مشرقی پاکستان کا خیر سگالی دورہ کیا تھا مسٹر راشد بٹ بھی اس وفد میں شامل تھے انہوں نے بتایا کہ ۲۵ مارچ کے بعد جماعت اسلامی اور اسلامی جمیعت طلبا کی مشرقی پاکستان میں بن آئی ہے۔ وہ پاکستان کی وفاداری کے اجارہ دار بن گئے ہیں، اپنے علاوہ اور کسی کو پاکستان کا وفادار نہیں سمجھتے، مشرقی پاکستان کے عوام ملک کے وفادار ہیں، لیکن اب انہیں وفاداری کی سند "البدر" سے حاصل کرنی پڑتی ہے۔ عوام حیران ہیں، جماعت اسلامی، اسلامی جمیعت طلبا اور "البدر" والوں نے پاکستان کی وفاداری کا ٹھیکہ کہاں سے حاصل کر لیا۔ حالانکہ یہی وہ جماعت ہے۔ جس نے پاکستان کی مخالفت کی۔ اس کے امیر نے بابائے قوم کی شان میں گستاخی کی اور ۲۳ سال کے عرصہ میں ایک مرتبہ بھی ان کے مزار پر حاضری نہیں دی اور نہ ہی اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا، جس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا مودودی اپنے سابقہ موقف پر قائم ہیں۔ لیکن یہ وطن عزیز کی سیاست کا طرفہ تماشہ ہے کہ ؎

"وہ منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے"

اب یہی جماعت مشرقی پاکستان میں پاکستان کی وفاداری کی اجارہ دار بنا دی گئی ہے۔

وہ حکومت کی گاڑیاں استعمال کر رہے ہیں

مسٹر راشد بٹ نے بتایا کہ "البدر" مشرقی پاکستان کے ترقی پسند عوام، اور اپنے سیاسی مخالفین کو "غدار" اور "تخریب کار" کہہ کر ہلاک کر رہی ہے۔ جس کی وجہ سے طلبہ کی اکثریت سیاسی میدان چھوڑ چکی ہے۔ وہ کسی بھی سرگرمیوں حصہ نہیں لیتے کیونکہ انہیں خطرہ ہے کہ "غداری" کا فتویٰ اُن پر عائد نہ کر دیا جائے۔

جب سے عوام کے مسترد کردہ عناصر مسند وزارت پر فائز کئے گئے ہیں اسلامی جمیعت طلبہ کی مسلح تنظیم "البدر" کی بن آئی ہے۔ اس کے کارکن حکومت کی کاروں اور گاڑیوں کو استعمال کرتے ہیں۔ وزیروں کی کاریں ان کے مصرف میں رہتی ہیں اسے "البدر ٹرانسپورٹ" بھی مہیا کر دی گئی ہے۔ گورنمنٹ کے ریسٹ ہاؤسز میں قیام کرتے ہیں۔ قانون نے انہیں کھلی چھوٹ دیدی ہے۔ اس وجہ سے یہ من مانی کارروائیاں کر رہے ہیں۔ جس سے نفرت کی خلیج مزید وسیع ہو رہی ہے۔ مشرقی پاکستان کے عوام کے دلوں میں حکومت کے رویے کے بارے میں شکوک پیدا ہو رہے ہیں۔

مشرقی پاکستان کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے راشد بٹ نے کہا کہ مشرقی پاکستان میں اقتصادی زبوں حالی اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ معاشی استحصال کی وجہ سے ہی کالعدم عوامی لیگ نے فائدہ اٹھایا۔ اب وہاں کے عوام کی غربت اور افلاس کی یہ حالت ہے کہ عورتوں کو بلاؤز تک نصیب نہیں ہوتا وہ صرف ایک معمولی سی سوتی ساری سے اپنے جسم کو چھپاتی ہیں۔ اور اگر کسی کو دن بھر کی محنت کے بعد ایک مٹھی چاول میسر آ جائے تو وہ اُسے غنیمت سمجھتا ہے۔

راشد بٹ نے بتایا کہ "مشرقی پاکستان کے عوام کو اعتماد میں لینے کے لئے ضروری ہے کہ عوام کو تشدد پسند عوام دشمن اور رجعت پسند جماعتوں اور استحصالی طبقوں سے نجات دلائی جائے۔ اتحاد اور اتفاق کو فروغ دینے کے لئے ضروری ہے کہ

الفتح کراچی

مغربی پاکستان میں میٹرک تک بنگالی اور مشرقی پاکستان میں اُردو لازمی قرار دی جائے۔ اپنے دس روزہ قیام کے دوران طلبہ سے ملاقات کرتے، اُن کے مسائل کو سمجھنے اور دونوں بازوؤں میں پیدا ہونیوالی غلط فہمیوں کو دور کرنے میں سب سے زیادہ دشواری زبان کی پیش آئی۔ اس کے علاوہ مشرقی پاکستان میں جو مغربی پاکستانی حکام مقرر کئے جاتے ہیں، وہ بنگالی زبان نہیں جانتے۔ عوام سے کوئی رابطہ نہیں رکھتے۔ اس کی وجہ سے تو وہ عوامی مسائل سے آگاہ ہوتے ہیں۔ جب وہ مسائل ہی سے آگاہ نہ ہوں تو اُن کے حل کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا"۔

دوران گفتگو پنجاب یونیورسٹی کا ذکر زیر بحث آیا۔ راشد بٹ نے بتایا کہ جامعہ کی انتظامیہ رجعت پسند ہے۔ شیخ الجامعہ بنیادی طور پر کمزور آدمی ہیں۔ جامعہ کے رجسٹرار سید شمشاد حسین سیاہ و سفید کے مالک ہیں۔ علامہ علاؤ الدین بھی ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔ ابھی حال ہی میں نیو کیمپس میں کارکنوں کے لئے تقریباً ۹۰ مکانات تعمیر کئے گئے۔ لیکن ان مکانوں کو تعمیر ہوئے ایک ماہ کا عرصہ بھی نہیں ہوا تھا اور نہ ہی یہ کلرکوں کو الاٹ کئے گئے تھے کہ ان میں کریک پڑنے شروع ہو گئے۔ انتظامیہ کی توجہ مبذول کرائی گئی۔ لیکن اس نے کوئی شنوائی نہ کی اور ٹھیکے دار کو رقم کی ادائیگی کر دی۔ زرضمانت ابھی تک واپس نہیں کیا گیا ہے۔ اگر انتظامیہ کے دل میں قوم کا کچھ درد ہے تو وہ ٹھیکے دار کی زرضمانت ضبط کرے اور اُس سے مکانوں کی مرمت کروائے۔

مسٹر راشد بٹ نے طلبہ کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے سب سے سنگین مسئلہ بے روزگاری کو بتلایا۔ اُنہوں نے کہا کہ پاکستان کی یونیورسٹیاں بے روزگاروں کی فوجیں تیار کر رہی ہیں۔ طلبہ اپنی عمر کے ۱۶ سال تعلیم پر خرچ کرنے کے بعد کاغذ کا صرف ایک "ٹکڑا" حاصل کرتے ہیں۔ جسے عرف عام میں ڈگری کہا جاتا ہے۔ وہ اس ڈگری کو لئے ہوئے سڑکوں کو ناپتے ہیں۔ دفتروں، کارخانوں اور ملوں کا طواف کرتے ہیں۔ لیکن اُنہیں ملازمت نہیں ہوتی۔ مایوس ہو کر بعض خودکشی کر لیتے ہیں۔ اور بعض سماج دشمن عناصر کی گود میں چلے جاتے ہیں۔ بے روزگاری کا مسئلہ دن بدن سنگین نوعیت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ حکومت اور سیاسی جماعتوں نے ابھی تک اس مسئلہ پر سنجیدگی سے توجہ نہیں دی۔ حکومت اور سیاسی رہنماؤں کی توجہ اس مسئلہ پر مبذول کرانے کے لئے پنجاب یونیورسٹی کے فارغ التحصیل بے روزگار طلبہ کا ایک کنونشن ماہ نومبر کے اواخر میں بلایا جائے گا۔ یہ اجتماع ۲ روزہ ہوگا۔ تمام شرکا یونیورسٹی میں قیام کریں گے، اور اس کنونشن کی صدارت وہ بے روزگار شخص کرے گا جس کے پاس سب سے زیادہ ڈگریاں ہوں گی۔

الفتح

مولا بخش

اس جونک نے ۱۹۶۸ء میں پنجے جمائے

الفتح رپورٹ

پاکستان کے سرمایہ داروں میں مولا بخش بارہویں نمبر پر آتا ہے اور پنجاب کے سرمایہ داروں میں اسکا نمبر چھٹا ہے۔ اداشدہ سرمایہ کے لحاظ سے ۱۹۶۵ء میں یہ گروپ اٹھارویں پوزیشن پر تھا۔ مولا بخش گروپ کی پہلی کمپنی خاصی دیر سے یعنی ۱۹۶۵ء میں کراچی اسٹاک ایکسچینج کی فہرست پر آئی اس کا نام تھا یونائیٹڈ جیوٹ اور یہ ۱۵۰ لاکھ کے سرمایہ سے شروع ہوئی۔ اب کیا تھا دولت کھچی چلی آئی اور ۱۹۶۸ء میں دوسری کمپنی میگنا جیوٹ کے نام سے رجسٹر ہوئی اس کا اداشدہ سرمایہ ۱۰۰ لاکھ تھا۔ اس کے بعد تین عدد کمپنیاں یکے بعد دیگرے کراچی اسٹاک ایکسچینج کی زینت بنیں اور دیکھتے ہی دیکھتے مولا بخش کا شمار بھی ان جونکوں میں ہونے لگا جو عوام کا خون چوسنے میں پیش پیش ہیں۔

دوسرے سرمایہ داروں کی طرح مولا بخش کی اصل دولت کا اندازہ اداشدہ سرمایہ سے لگانا بہت مشکل ہے۔ ان کی اصلی دولت کا راز شپنگ اور جیوٹ کی اس تجارت سے لگایا جانا چاہیئے جو اسٹاک ایکسچینج والی کمپنیوں کے بالکل علاوہ ہیں۔ ۱۹۶۶ء میں مولا بخش کا اداشدہ سرمایہ صرف ۱۵۰ لاکھ تھا۔ لیکن ان کے اثاثوں کی قیمت ۱۷۴ لاکھ سے اوپر تھی۔ اب مولا بخش کی مختلف کمپنیوں کی ترقی کی رفتار (سال بہ سال) ملاحظہ ہو۔

ملز، گودام اور دوسری عمارتیں جو نرسنگدی ضلع ڈھاکہ میں واقع تھے۔ حاصل کر لئے۔ مولا بخش کے پاس آنے سے پہلے یہ مل نرسنگدی جیوٹ ملز کے نام سے PIDC کی ملکیت تھی۔ شروع میں اس مل میں صرف ۲۵۰ لومز تھیں۔ مولا بخش گروپ نے ۲۵۰ لومز کا فوری اضافہ کیا اور ۶۶-۱۹۶۵ء میں پروڈکشن شروع کر دی اب یہ کمپنی ایک ساتھ دو یونٹ چلا رہی ہے اور سیکشن 15BB کے تحت اسے پورے آٹھ سال کے لئے ہر قسم کے ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ ۳۰ جون ۱۹۶۶ء کو ۴۷ لاکھ کا قرضہ PIDC کے نام تھا جس کا سود ۸۵ لاکھ تک پہنچ چکا تھا۔ یہ رقم معہ قرضہ اور سود کی ادائیگی کے لئے کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہ کیا اور ہنوز یہ قرضہ باقی ہے۔ اس کے علاوہ کمپنی نے یونائیٹڈ بنک سے کیش کریڈٹ کی سہولتوں کا بھی انتظام کر رکھا ہے اور ۳۰ جون ۱۹۶۶ء کو یہ رقم ۳۷ لاکھ ہو چکی ہے۔

مولا بخش کی بقایا کمپنیاں ابھی حال ہی میں پے درپے قائم ہوئی ہیں۔ اس لئے ان کی تفصیلات جاننا مشکل ہے حتیٰ کہ ان کمپنیوں کے ڈائریکٹروں کی تعداد کتنی ہے؟ اور ان میں سے کتنے افراد مولا بخش کے اپنے گھر کے اپنے آدمی ہیں؟ ان باتوں پر بھی راز کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ پانچ رجسٹرڈ کمپنیوں میں سے صرف یونائیٹڈ کے متعلق معلومات حاصل ہو سکی ہیں۔ اس کمپنی کے کل

سال	یونائیٹڈ جیوٹ	میگنا جیوٹ	چاندپور جیوٹ	بخش ٹیکسٹائل	انور ٹیکسٹائل	ٹوٹل
۱۹۶۵ء	۱۵۰	–	–	–	–	۱۵۰
۱۹۶۶ء	۱۵۰	–	–	–	–	۱۵۰
۱۹۶۷ء	۱۵۰	–	–	–	–	۱۵۰
۱۹۶۸ء	۱۵۰	۱۰۰	–	–	–	۲۵۰
۱۹۶۹ء	۱۵۰	۱۰۰	۱۰۰	۹۵	۴۰	۴۸۵

(۱) یونائیٹڈ جیوٹ ملز ۱۹۶۳ء میں چٹاگانگ (مشرقی پاکستان) میں قائم کی گئی۔ اور اس مل نے PIDC سے تمام جیوٹ

چار ڈائریکٹر ہیں اور روایت کے مطابق سب کے سب

باقی صفحہ ۴۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

ذیل میں عوامی جمہوریہ چین کے قائم مقام وزیر خارجہ مسٹر چی پنگ فی اور پاکستان کے اعلیٰ اختیاراتی وفد کے سربراہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی تقریریں درج ہیں ــــ
پاکستانی وفد کی کامیابی دراصل پاکستان اور چین کے عوام کے درمیان برسوں کی گہری رفاقت، یگانگت اور ایک دوسرے کے مسائل سے دلچسپی کا نتیجہ ہے۔ یہ کامیابی چین کے ۷۰ کروڑ عوام اور پاکستان کے ۱۳ کروڑ عوام کی مشترکہ کامیابی ہے۔

ہم پاکستان کے ساتھ ہیں

"پاکستان کے داخلی معاملات صرف عوام ہی حل کرسکتے ہیں" (چی)

چی پنگ فی کی تقریر

چی پنگ فی نے کہا کہ صدر یحییٰ نے معزز مہمانوں پر مشتمل جو پاکستانی وفد چین کے دوستانہ دورہ پر بھیجا ہے میں حکومت چین کی جانب سے اس کا گرمجوش خیر مقدم کرتا ہوں چین اور پاکستان کے درمیان دوستانہ تعلقات اور تعاون بڑھانے کی غرض سے پاکستان نے بے حد کام کیا ہے ہمیں یقین ہے کہ آپ کے موجودہ دورہ سے پاک چین دوستی کو مزید فروغ حاصل ہوگا۔ چین اور پاکستان دوست پڑوسی ممالک ہیں اور دونوں ملکوں کے درمیان دوستانہ تعلقات کی بنیاد خود مختاری اور علاقائی سالمیت کے لئے باہمی احترام عدم جارحیت ایک دوسرے کے معاملات میں عدم مداخلت، مساوات باہمی مفادات کے تحفظ اور پرامن بقائے باہمی کے پانچ اصولوں کی بنیاد پر قائم ہیں اور سامراجیت اور توسیع پسندی کے خلاف مشترکہ جد وجہد کے دوران ان میں اضافہ ہوا ہے ہمارے دونوں ملکوں کے درمیان دوستانہ تعلقات اور تعاون اور ہمارے دونوں عوام کے درمیان دوستی مسلسل مضبوط ہوئی ہے اور اس میں برابر اضافہ ہوا ہے۔

پاکستان کی حکومت اور عوام نے دو چین نظریہ کی سختی سے مخالفت اور اقوام متحدہ میں چین کے جائز حقوق کی بحالی کی سرگرمی سے حمایت کی حال ہی میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے البانیہ الجزائر پاکستان اور دوسرے ۲۰ ملکوں کی جانب سے پیش کردہ قرارداد بڑی بھاری اکثریت سے منظور کی جو اقوام متحدہ میں چین کے تمام قانونی حقوق کی بحالی اور چیانگ کائی شیک ٹولہ کے نمائندوں کے اقوام متحدہ اور اس کے متعلق تمام تنظیموں سے اخراج کے بارے میں تھی یہ فتح پوری دنیا کے عوام اور ان تمام ملکوں کی فتح ہے جو اصولوں اور انصاف کی اقدار کو بلند رکھتے ہیں اس جد وجہد میں پاکستانی حکومت اور اقوام متحدہ میں اس کے نمائندوں نے انتھک کوششوں سے حصہ لیا میں ایک مرتبہ پھر اس موقع پر چین کی حکومت اور عوام کی جانب سے پاکستان کی حکومت اور عوام کا صدق دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں بیرونی جارحیت، مداخلت کاروں اور اندرونی علیحدگی پسندوں سے اپنے ملک کی آزادی خود مختاری اور علاقائی سالمیت کا دفاع کرنے کی خاطر پاکستان کے عوام سامراجیت اور توسیع پسندی کی مخالفت کرنے کی شاندار روایت کے حامل ہیں حکومت پاکستان اپنی آزاد خارجہ پالیسی پر کاربند ہے اور اس نے ایشیا میں امن کے تحفظ اور ایشیائی استحکام کے فروغ کے لئے کام کیا ہے بھارتی حکومت نے انتہائی ڈھٹائی سے پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت کی ہے اور مشرقی پاکستان کی صورت حال سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں تخریبی سرگرمیاں جاری رکھیں اور پاکستان کو فوج کشی کی دھمکیاں دیں برصغیر کی موجودہ کشیدگی پر چین کی حکومت اور عوام کو گہری تشویش ہے ہم اس اصول کے حامی ہیں کہ کسی بھی ملک کے داخلی معاملات کو خود وہاں کے عوام ہی حل کرسکتے ہیں مشرقی پاکستان کا مسئلہ پاکستان کا داخلی معاملہ ہے جس کا



ہم بھارتی توپوں کا رُخ موڑ دیں گے۔ بھٹو

معقول حل خود پاکستان کے عوام ہی تلاش کر سکتے ہیں کسی بھی بیرونی ملک کو کسی بھی بہانہ سے مداخلت کرنے یا تخریبی سرگرمیاں جاری رکھنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی چینی حکومت نے جو پر امن بقائے باہمی کے پانچ اصولوں کی ہمیشہ سے پابند رہی ہے کبھی بھی دوسرے ملکوں کے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کی اور وہ دوسرے ملکوں کے داخلی معاملات میں کسی بھی ملک کی جانب سے مداخلت کی سختی سے مخالفت کرتی ہے یہ ہمارا مضبوط اور غیر متزلزل موقف ہے۔

ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ پاکستان کے عوام کی بھاری اکثریت محب وطن ہے اور وہ قومی اتحاد اور ملکی وحدت کا تحفظ کرنا چاہتی ہے پاکستان کے عوام داخلی انتشار و تفریق اور بیرونی مداخلت کے مخالف ہیں ہمیں امید ہے کہ پاکستان کے عوام اپنے اتحاد کو مضبوط کریں گے اور وہ اپنی مشکلات پر قابو پانے اور اپنے مسائل حل کرنے کے لئے مشترکہ کوششیں کریں گے ہم نے اس بات کو محسوس کیا ہے کہ بعض افراد برصغیر کی کشیدگی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے گھٹیا مقاصد کے حصول کی وحشیانہ کوشش میں پاکستان پر جنگجویانہ دباؤ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چینی حکومت اور عوام نے ہمیشہ اس اصول کو اپنایا ہے کہ ملکوں کے درمیان تنازعات کا فیصلہ طاقت کے بل پر نہیں بلکہ باہمی صلاح مشورہ کے ذریعہ ہونا چاہیئے صدر یحیٰی نے بھارت اور پاکستان کی سرحدوں سے مسلح افواج کو پیچھے ہٹانے کی جو تجویز پیش کی ہے وہ معقول ہے جس سے برصغیر میں کشیدگی کو کم کرنے میں مدد ملے گی۔ اس تجویز کا خیر مقدم کیا جانا چاہیئے۔

ہمارے پاکستانی دوستوں کو یقین رکھنا چاہیئے کہ پاکستان کو بیرونی جارحیت کا نشانہ بنایا گیا تو چین کی حکومت اور عوام ہمیشہ کی طرح ان کی خود مختاری اور قومی آزادی کے دفاع کی جائز جدوجہد میں پاکستان کی حکومت اور عوام کی بھرپور حمایت کریں گے چین کے قائمقام وزیر خارجہ مسٹر چی پینگ فی نے آخر میں چین اور پاکستان کے عوام کی دوستی، اسلامی جمہوریہ پاکستان

برصغیر میں موجودہ کشیدگی پر
چین کو گہری تشویش ہے

کی خوشحالی اور استحکام اور پاکستانی عوام کی خوشحالی صدر یحیٰی، مسٹر بھٹو اور وفد میں شامل دوسرے معزز مہمانوں کی صحت کا جام تجویز کیا۔

بھٹو کی تقریر:۔ پاکستانی وفد کے سربراہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی جوابی تقریر میں تاریخ کے اس مشکل مرحلہ میں چین کی حکومت اور عوام کی جانب سے پاکستان کی گرانقدر امداد و حمایت پر شکریہ ادا کیا۔ مسٹر بھٹو نے کہا کہ بھارت پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتا ہے بھارت نے پاکستان کے دونوں بازوؤں کی سرحدوں پر اپنی مسلح افواج فوج کشی کے ارادے سے لا کھڑی کی ہیں اس طرح وہ ہمیں ڈرانا دھمکانا چاہتا ہے ان فوجی کارروائیوں سے صرف ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ بھارت مسلح تصادم کے ذریعہ اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔

مسٹر بھٹو نے زور دے کر کہا کہ اگر ہمیں جارحیت کا نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی تو میں پورے اعتماد سے دنیا کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارے عوام جو آزادی کو ہر بات پر مقدم سمجھتے ہیں اپنی عزت و وقار اور اپنے گھروں کے دفاع کے سلسلے میں کسی بات میں پیچھے نہیں رہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کے عوام اپنے تمام وسائل و ذرائع استعمال کر کے قومی آزادی اور علاقائی سالمیت کا دفاع کریں گے مسٹر بھٹو نے کہا کہ مشرقی پاکستان کے عوام بھی مغربی پاکستان کے عوام کی طرح اپنے ملک کے اتحاد اور سالمیت کا دفاع کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ صدر یحیٰی نے نمائندہ حکومت کی بحالی کے لئے جو پروگرام پیش کیا ہے اس کا مشرقی پاکستان کے عوام نے بھی حوصلہ افزا جواب دیا ہے مسٹر بھٹو نے کہا کہ اقوام متحدہ میں چین کی شمولیت سے عالمی تنظیم میں افریشیائی برادری میں جان پڑ گئی ہے مسٹر بھٹو نے چین کے عوام کی خوشحالی اور چین اور پاکستان کے عوام کی دوستی کے لئے جام تجویز کیا۔

جرائم کو کنٹرول کرنے والی ایجنسی کی ناکامی میں بااثر افراد کا ہاتھ

امریکی پولیس مجرموں کی سرپرستی کر رہی ہے

ایک زیرِ سماعت مقدمہ میں سنسنی خیز انکشاف


ولیم فلپس

نعیم آروی

صدر نکسن نے اپنے ایک حالیہ ٹیلی ویژن انٹرویو میں اقرار کر لیا کہ "پورا ملک جرائم کی لپیٹ میں آگیا ہے"۔ اس قسم کا اعتراف انہوں نے ایک بار پہلے بھی کیا تھا۔ ان دنوں امریکہ میں صدارتی انتخاب ہونے والا تھا۔ اور نکسن صاحب صدر کے عہدے کے امیدوار تھے۔ اس بار بھی ٹیلی ویژن کی ایک تقریر میں اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ہمارا ملک نت نئے جرائم کا اڈہ بنتا جا رہا ہے۔ ان کی بیخ کنی ضروری ہے۔ اس کے لئے ملک میں نئی قیادت کی راہ ہموار کی جائے۔ نئی قیادت ہی امریکہ کو صاف ستھرا بنائے گی۔ اور وہ نئی قیادت ہمارے سوا کون ہو سکتی ہے۔ مجھے زیادہ سے زیادہ ووٹ دیں اور صدر بنائیں"۔

امریکی عوام نکسن کے جھانسے میں آگئے۔ وہ نئی بوتل اور نئے لیبل کے ساتھ پرانی دوا سے دھوکہ کھا گئے۔ انہوں نے گڑگڑا کر اقتدار کی بھیک مانگنے والے نکسن کی قیادت کے لئے راہ ہموار کر دی انہیں موہوم سی امید نے گھیر رکھا تھا۔ وہ سمجھ بیٹھے شاید نکسن قیادت ملک سے جرائم کی گندگی نکال پھینکے۔ مگر نکسن کے طویل اقتدار نے ثابت کر دیا کہ ان کا وعدہ جھوٹا تھا محض حصول اقتدار کے لئے سارا پاکھنڈ پھیلایا گیا تھا۔ نکسن کے دور میں جرائم کی شرح پہلے سے کئی گنا زیادہ ہو گئی۔

ایک بار پھر نکسن نے اپنے حالیہ ٹیلی ویژن انٹرویو میں اپنی قوم سے کہا۔ "امریکہ جرائم کے طوفان میں پھنس گیا ہے۔ اس کی بیخ کنی میں حکومت سے تعاون کریں"۔

نکسن کا حالیہ اعتراف حقائق پر مبنی ہے۔ نکسن قیادت اپنے ملک کو صاف ستھرا بنانے میں ناکام ہو گئی ہے۔ امریکی عوام کو نکسن کا وعدہ یاد ہے۔ آئندہ بھی ملک میں الیکشن ہونے والے ہیں۔ ڈیموکریٹک پارٹی کو الیکشن لڑنا ہے۔ پارٹی کے ایک خفیہ اجلاس میں نکسن کو ہدایت کی گئی کہ وہ ایک بار پھر اس ناکام وعدہ کی تجدید کریں۔ اور عوام کو یقین دلائیں کہ موقع ملتے ہی نکسن حکومت ملک سے جرائم اکھاڑ پھینکے گی۔ امریکی عوام جرائم کے ہاتھوں پریشان ہیں۔ اس کی تیز و تند لہروں میں پورا پورا ملک کاغذ کی ناؤ کی طرح ہچکولے کھا رہا ہے۔

۱۹۶۹ء میں جرائم کی شرح میں ۱۲ فیصد کا اضافہ ہوا۔ اس میں قتل، اغوا، عصمت دری، لوٹ مار اور ڈاکے کی شرح ۱۱ فیصد رہی۔ ۱۹۷۰ء میں کل جرائم میں ۱۱ فیصد کا اضافہ ہوا۔ اس میں تشدد اور مار پیٹ کے واقعات کی شرح میں ۱۲ فیصد کا اضافہ ہوا۔ یہ اعداد و شمار "فیڈرل بورڈ آف انویسٹیگیشن" کے جاری کردہ ہیں۔ اسی طرح سال گذشتہ کے مقابلے میں امسال ۷ فیصد اور تشدد کے واقعات میں ۱۱ فیصد کا اضافہ ہوا"۔

اعداد و شمار کے ایک ماہر میچل نے جرائم کے بڑھتے ہوئے اس رجحان پر سخت تشویش کا اظہار کیا اور کہا۔ "ہمارے زوال پذیر معاشرے کا سب سے خطرناک اور سنگین مسئلہ جرائم ہیں۔ یہ سیاسی اور معاشی افتراق و امتیازات کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اس پر اگر فوری توجہ نہ دی گئی تو ممکن ہے۔ اس کے تباہ کن نتائج برآمد ہوں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ چند سالوں کے بعد جرائم کی روک تھام کرنے والے ہاتھ خود جرائم میں ملوث ہو جائیں"۔

اٹارنی جنرل نے انکشاف کیا ہے کہ امریکہ کے ۵۰ شہر ایسے ہیں جن کی آبادی تقریباً دس دس لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ تشدد اور دوسرے قسم کے جرائم کے واقعات میں غیر معمولی اضافہ ہوا گذشتہ سال ۴۴ شہروں میں جرائم میں کمی کا رجحان پیدا ہوا تھا،

امریکی عوام سے وعدہ خلافی کی گئی۔ نکسن اقتدار خطرے میں

مگر اس سال دوبارہ تیزی آگئی، اور تو اور واشنگٹن ڈی سی، جو فیڈرل حکومت کا دارالخلافہ کہلاتا ہے، بھیانک قسم کے جرائم کا گڑھ بنا ہوا ہے۔ اٹارنی جنرل نے ایک دلچسپ انکشاف بھی کیا "جرائم کی بڑھتی وجہ اخلاق سوز کتابیں ہیں جو ہر سال لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوتی ہیں۔ اور ہاتھوں ہاتھ بک جاتی ہیں۔ ان کتابوں میں مختلف نوعیت کے جرائم کے طریقۂ کار کے بارے میں تفصیلات درج ہوتی ہیں"۔

ایف بی آئی نے جرائم کے جو تازہ ترین اعداد و شمار شائع کئے ہیں، ان کے مطابق سال رواں کے پچھلے تین چار ماہ سے دیہی علاقوں میں جرائم کی شرح میں ۱۰ فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ اس میں تشدد اور مارپیٹ کے واقعات سب سے زیادہ ہوئے ہیں۔

نیویارک اور فلاڈلفیا میں جرائم کی شرح میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ واشنگٹن میں سالِ گذشتہ کے مقابلے میں اس سال قتل اور عصمت دری کے واقعات نے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیئے البتہ ڈکیتی اور چاقو زنی کی وارداتوں میں تھوڑی سی کمی ہوئی ہے۔

صدر نکسن اور ان کے اٹارنی جنرل اس کی ذمہ داری کینیڈی اور جانسن کے سر تھوپ رہے ہیں۔ ان صاحب اقتدار حضرات نے اعلان کیا ہے کہ "اگر سابقہ صدر اس جانب سنجیدگی سے توجہ دیتے تو ہمیں درثے میں جرائم کی یہ بھاری گٹھڑی نہ ملتی"۔

جرائم کو کنٹرول کرنے کی اصل ذمہ داری مقامی انتظامیہ اور پولیس پر عائد ہوتی ہے۔ واشنگٹن میں ایک خفیہ کمیٹی نے اس موضوع پر ایک رپورٹ ترتیب دی ہے، اس میں انکشاف کیا گیا ہے کہ جرائم کی بیخ کنی کرنے والے ہاتھ جرائم کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔

نیویارک میں پولیس کی رشوت خوری کے خلاف ایک تہلکہ خیز مقدمہ زیر سماعت ہے۔ "بلیو ربن نیپ کمیشن" کے سامنے ولیم فلپس نامی ایک شخص کو پیش کیا گیا۔ اس نے اپنے بیان میں جن باتوں کا اظہار کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امریکی پولیس گھناؤنے قسم کے جرائم کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔ ولیم فلپس نے اپنے بیان میں بتایا "اس کی طرح سینکڑوں افراد پولیس کی سرپرستی میں سرکاری رقومات اور چکلوں میں خرد برد کر رہے ہیں۔ اس میں سے نصف رقم پولیس کو پہنچائی جاتی ہے"۔

واشنگٹن میں جرائم کو کنٹرول کرنے کے لئے ایک ایجنسی قائم کی گئی۔ اس کا نام "لا انفورسمنٹ اسسٹنٹ ایڈمنسٹریشن" ہے۔ اس ایجنسی نے ایک جامع پروگرام مرتب کیا، مگر اس پر عملدرآمد کی نوبت نہ پہنچی ـــــ کیوں۔ یہ پتا چلا کہ اس میں چند ایسے بااثر لوگ گھس گئے تھے۔ جو اس پروگرام کی راہ میں رکاوٹ بن گئے۔ بعد میں جب ان کے متعلق تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ جرائم کی سرپرستی کر رہے تھے۔ اس طرح یہ ایجنسی اپنے مقصد میں ناکام ہو گئی۔ اس ایجنسی پر ابتک کروڑوں ڈالر کی رقم خرچ کی جا چکی ہے۔

ڈیموکریٹس کی اکثریت نکسن کی اس کمزور پالیسی سے نالاں ہے۔ وہ نکسن کو اڑانے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ ۱۹۷۲ء کا الیکشن سر پر پہنچنے والا ہے۔ پارٹی کی پوزیشن نازک ہے۔ عوام سے وعدہ خلافی کی گئی۔ امریکی باشندے دیکھ رہے ہیں کہ نکسن وعدہ کر کے آئے تھے کہ وہ ملک سے غربت اور جرائم ختم کر دیں گے۔ مگر وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکیں۔ آئندہ برسراقتدار پارٹی کی طرف سے صدارت کا جو بھی امیدوار کھڑا ہو گا اس کی پوزیشن اچھی نہ ہو گی۔ ممکن ہے کہ آئندہ الیکشن میں ریپبلکن کا امیدوار جیت جاتے، مگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ جرائم کی شرح میں پھر بھی کمی نہ ہو گی۔ امریکہ میں جو سیاسی اور سماجی ڈھانچہ قائم ہے۔ اس میں یہی کچھ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ تاانکہ امریکہ نے محنت کش عوام اس اپنے نظام کو تبدیل نہ کر دیں۔

نیگرو عوام کے خلاف امریکی پولیس کی شرمناک سازش

نیگرو عوام کی انقلابی جدوجہد کو کچلنے کے لئے سی آئی اے اور ایف بی آئی نے تمام ریاستی پولیس کو خفیہ طور پر ہدایت کی ہے کہ وہ امریکی حکومت کی پالیسیوں کے خلاف اور قومی آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینے والے سرگرم نیگرو کارکنوں اور رہنماؤں کو مختلف جرائم میں ملوث کر کے گرفتار کریں۔ چنانچہ ان دنوں نیگرو کارکنوں کو جعلسازی فریب کاری اور منشیات کے ناجائز کاروبار کرنے کے جھوٹے الزام میں دھڑا دھڑ گرفتار کیا جا رہا ہے ـــــ اور ان پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔



ثقافتی انقلاب کے بعد کی ایک مختصر چینی کہانی

شین سیاؤ

ترجمہ :— عبدالمجیب خان

چاچا لیو

افسانہ

لیو چاچا کچھ عرصے سے بیمار تھے میں اپنے کام میں اتنا مصروف تھا کہ ان کی عیادت کو نہ جا سکا۔ ہفتہ کی شام کو میں نے وقت نکالا لیکن صبح ہی سے برسات کی موسلا دھار بارش وقفے وقفے سے ہو رہی تھی، شام چار بجے کے قریب جوں ہی بارش تھمی میں برساتی لے کر گھر سے نکل پڑا لیو چاچا کے گھر پہنچتے، پہنچتے راستے میں ہلکی ہلکی بارش پھر شروع ہو گئی۔ جوں ہی میں ان کے گھر پہنچا آنٹی لیو نے سیڑھیوں پر مجھے خوش آمدید کہا

"کہیے آنٹی لیو چاچا کی کیسی طبیعت ہے"؟

"پہلے سے بہتر ہیں، ابھی ابھی وہ نیچے ہی گئے ہیں"

"اوہو۔ تو کیا آج بھی ان سے ملاقات نہیں ہو سکے گی"

"نہیں نہیں وہ کچھ دیر بعد آ جائیں گے۔ آؤ تم اندر تو آؤ۔!"

میں نے جوں ہی چاچا لیو کے کمرے میں قدم رکھا۔ تو سامنے پلنگ پر ماؤزے تنگ کی بے شمار کتابیں بکھری پڑی تھیں۔ ان میں سے بعض کتابیں کھلی ہوئی تھیں۔ جن پر بعض جگہ لال پنسل سے نشانات لگے تھے کھانے کی میز پر ابھی تک کھانا رکھا تھا۔ غالباً انہوں نے ابھی کھانا نہیں کھایا تھا۔

"تم اس قدر مصروف کیوں تھے؟ کیا فیکٹری میں کام زیادہ بڑھ گیا تھا" آنٹی لیو نے پوچھا "ہم سمجھ رہے تھے کہ شاید تم گھر پہ آرام کر رہے ہو گے لیکن ہمارے بوڑھے کو تو اپنی فیکٹریوں سے بڑی محبت ہے۔ دن میں کئی کئی مرتبہ فیکٹری جاتے ہیں۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا نوجوان لائی اندر داخل ہوا۔

"میں سمجھا شاید لیو چاچا آگئے"۔

"بابا لیو تو بازار میں کچھ لینے گئے ہیں۔ اب آتے ہی ہوں گے۔ کیا کچھ کام ہے" لائی نے پوچھا "ہمارے پہلے اور دوسرے دونوں خطا نہیں نہیں ملے"۔

"ہاں میں نے بھی یہی سنا تھا۔ اور کسی حد تک یہ سچی خبر ہے۔ ویسے بھی یہ تو پارٹی کی ذمہ داری ہے کہ وہ کسانوں کی مدد کرے تاکہ موسم بہار کی فصل اچھی ہو ہماری فیکٹری میں تو سرکاری کاریگروں کی ایک ٹیم تیار کی گئی ہے جو کسانوں کے پرانے ٹریکٹروں اور ان کی دوسری چھوٹی موٹی مشینوں کی مرمت، کھیت کھیت جا کر کریں گے۔ وسیع پیداوار کے لئے ہماری فیکٹری نے دور دراز کے کسانوں کی مدد کے لئے موٹریں بھی فراہم کی ہیں اور کچھ لوگوں کو اپرنٹس پر بھی رکھا ہے تاکہ کسانوں کو کسی بھی لمحہ پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے جب پہلی دفعہ مجھے کچھ زیادہ کام نہیں ملا تو میں نے ایک موٹر کے سارے پرزوں کو کھول ڈالا۔ اور پھر از سر نو ان ٹوٹے ہوئے پرزوں کو جوڑ دیا۔ اور پھر جب تمام پرزوں کو اپنی اپنی جگہ فٹ کرنے کے بعد ٹیسٹ کیا تو موٹر صحیح نہیں ہوئی ہم نے دوبارہ اس کے تمام پرزوں کو چیک کیا لیکن ہم اس کی خامی کو دور نہیں کر سکے ہم ایسے کاموں میں اتنے ماہر نہیں جتنے لیو چاچا ہیں"

اور اگر وہاں صرف لیو بابا ہوتے تو؟ نوجوان لائی نے ہنستے ہوئے کہا "بھئی لیو چاچا تو ایک ماہر میکینک ہیں وہ تو بڑی بڑی بجلی کی مشینوں پہ کام کر چکے ہیں ان کے لئے موٹر کی مرمت کیا معنی رکھتی ہے لیکن میں اپنی پریشانی کا ان سے کیسے ذکر کروں جب کہ ان کی طبیعت ناساز ہے پہلے ہم نے فیصلہ کیا کہ کسی دوسرے ورکشاپ کے میکنک سے مدد لی جائے لیکن وہ کسانوں کی مدد کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ لیو چاچا ہمارے ساتھ ضرور ورکشاپ چلیں گے"۔ میں نے آنٹی لیو سے کہا۔

"تمہیں کسانوں کے لئے موٹر کی مرمت کرنی ہے وہ یقیناً تمہارے کام میں ہاتھ بٹائیں گے میں انہیں دیکھنے جاتی ہوں"۔

کتنی اچھی ہیں ہماری آنٹی جب انہوں نے سنا کہ موسم بہار کی فصل میں کسانوں کی بھرپور مدد کرنا ہے تو وہ سب کچھ بھول گئیں۔ یہاں تک کہ لیو چاچا کی بیماری کو بھی نظر انداز کر دیا"

بارش ابھی تک جاری تھی ننھے ننھے بارش کے قطرے میرے چہرے پر گر رہے تھے جس کی وجہ سے میں سردی سی محسوس کر رہا تھا۔ لیکن میرا گرم دل جوان تھا جیسے ہی میں نے ورکشاپ میں قدم رکھا ہر طرف خاموشی طاری تھی مدھم روشنی کی کرنیں ہماری بنچ پر گر رہی تھیں۔ نوجوان لائی موٹر کو چیک کرنے میں مصروف تھا اس کے چہرے سے اس بات کا گمان ہو رہا تھا کہ ہر چیز درست حالت میں ہے۔

"لیو چاچا کہاں ہیں؟" میں نے پوچھا

نوجوان لائی نے مڑ کر مجھے دیکھا۔ محنت کش مزدور لیو وہ تو کہیں اور کسی دوسرے کام میں مصروف ہیں۔ بھئی یہ موٹر تو بہت پرانے ماڈل کی ہے، اور

اس کاٹرانسفارمر کوئیل کا دائرہ بڑا مختصر سا ہے جب میں نے ملٹی میٹر سے چیک کیا تو تمام چیزوں کو درست پایا بس صرف بیٹری کرنٹ میں کچھ خامی ہے اس سلسلے میں ہم کس قدر غیر محتاط رہے کہ ذرا خیال بھی نہیں کیا۔

"بھئی وہ بابا لیو زہن کے کس کونے میں چھپے بیٹھے ہیں۔ میں تو اب بے چین ہوا جا رہا ہوں"۔

"ان کے بارے میں سنا گیا ہے کہ وہ ایک ورک شاپ میں پرانے ٹریکٹروں کی مرمت کر رہے ہیں وہ یقیناً وہیں ہوں گے! چلو لیو بابا کو دیکھنے چلیں" نوجوان لائی نے اپنے اوزاروں کو رکھتے ہوئے کہا۔

ہم ایک دوکان میں گئے۔ دوکان کے اندر مشینوں کی آوازوں سے کان پڑی آواز سنائی دے رہی تھی، ہر طرف بڑی بڑی مشینیں چل رہی تھیں۔ اور لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے ایک شخص کہہ رہا تھا "تم لوگ جاؤ اور موسم بہار کی بہتر اور زیادہ پیداوار کے لئے اپنے کسانوں کا ہاتھ بٹاؤ" بابا لیو ایک موٹر کی مرمت میں مصروف تھے۔ ان کے ہاتھ کالے ہو رہے تھے، ان کے چہرے پر خوشی کی لہریں نمایاں تھیں جیسے انہوں نے کوہِ قراقرم کی چوٹی سر کر لی ہو۔ ہم ان کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے۔

"او۔ ہو۔ تم یہاں پہنچ گئے۔ تمہیں کس نے میرا پتا دیا"۔ چچا لیو نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"لیو چچا آپ اپنی صحت کا خیال کیوں نہیں رکھتے"۔ میں نے پوچھا۔

"بے شک بیٹا تندرستی ہزار نعمت ہے"۔ انہوں نے ہتھوڑی کو نیچے رکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ کام زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ بیماری میں اگر آدمی گھر میں بستر پر پڑا رہے تو نہیں بھی مرتا ہو تو مر جائے۔ اور میں یہاں کام کر کے بہت بہتر ہوں موسم بہار کی فصل میں ہمارے کسانوں کو ٹریکٹروں کی ضرورت ہے تاکہ وہ جلد از جلد زمین کو نرم کر کے بیج بو سکیں۔ ہمارے دل میں اپنے کسانوں کے لئے بے حد محبت ہے ہمارے دل کسانوں کے دلوں کے ساتھ دھڑکتے ہیں"۔

ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ میں اور لیو چچا گیٹ کی طرف چلنے لگے۔ "سنو"! لیو چچا نے ورک شاپ کے گیٹ پر پہنچ کر، ایکدم رک کر کہا۔ دیکھو اتنی رات گئے، کون آیا؟

ان کے چہرے پہ بارش کے چھوٹے چھوٹے قطرے روشنی سے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ اور پھر وہ چوکیدار سے گفتگو کرنے لگے۔

"بھئی آج کل یعنی موسم بہار میں ہم لوگ کچھ زیادہ مصروف رہتے ہیں"۔ انہوں نے کہا۔

"لیکن ہماری موٹر کو کوئی خراب حالت ہی میں لے گیا"

"میرا خیال ہے کہ ضرور وہی شخص ہماری موٹر کو لے گیا ہو گا۔ جو صبح صبح اپنی موٹر کو ٹھیک کروانے آیا تھا۔ میرے ساتھیوں! تم مت گھبراؤ میں ابھی ابھی اس کے پاس جاتا ہوں اور کہوں گا۔ کہ بھئی تمہاری موٹر اب ٹھیک ہو چکی ہے"۔

"ناممکن، ہماری موٹر تو وہیں ہو گی"۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا۔ وہ دیکھو سامنے ایک موٹر کھڑی ہے جس پر ٹاٹ پڑا ہوا ہے۔

"او۔ ہو۔ مجھے غلط فہمی ہوئی"۔ "آؤ میرے ساتھیو، چلو فیکٹری کے باہر چلیں۔ ان کی موٹر نے دوپہر میں کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ جب کہ وہ کھیت میں کسانوں کی آبپاشی میں مدد کے لئے جا رہے تھے انہوں نے اسے وہیں چھوڑا اور ایک چھکڑا پر لفٹ لے کر شہر موٹر کی مرمت کا سامان لینے

تم لوگ جاؤ اور—
موسم بہار کی بہتر
فصل کے لئے کسانوں
کا ہاتھ بٹاؤ

گئے"۔ لیکن راستے ہی میں بارش دوبارہ تیز ہو گئی اس سے پیشتر کہ نوجوان ساتھی اپنی کہانی ختم کرتا لیو بابا نے چھوٹی چھوٹی مشینوں کی جانچ پڑتال شروع کر دی۔ انہوں نے گاڑی کے پہیے کو زور سے گھمایا اور پھر اس کی آواز کو سننے لگے۔

"مت گھبراؤ میرے نوجوان ساتھیو! انہوں نے ہنستے ہوئے کہا"۔ میں مشکل حالات کا پوری طرح جائزہ لے رہا ہوں۔ غالباً (ایکسل) میں کچھ خرابی نظر آتی ہے۔ ہم اسے تبدیل کر دیں گے"۔ "ایکسل" کی تبدیلی"۔ میں نے حیرت سے پوچھا ہم نے تو کبھی ایکسل کو ہاتھ بھی نہیں لگایا؟

"میں نے کچھ دنوں پہلے اسے پیک کر کے اسٹور روم میں رکھا تھا"۔ انہوں نے مجھ سے کہا۔ وہ بالکل اسی جیسا ہے اور اس کو لگانے کے بعد ہمارا کام تقریباً آدھا رہ جائے گا۔"؟

نوجوان لڑکوں نے خوشی سے چچا لیو کے ہاتھوں کو پکڑ لیا "میرے ساتھیو ہم آپ کی مدد کے بےحد مشکور ہیں۔ ہم غریب اور درمیانے درجے کے کسان چیئرمین ماؤ کے بتائے ہوئے اصول کہ جنگ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہو، قدرتی بیماریوں سے بچنے کے لئے تیار رہو، اور جو کچھ کرو اپنے عوام بھائیوں کے لئے کرو"۔

"ہماری موسم بہار کی فصل بہت زیادہ اچھی ہو گی۔ ہم اپنے دیش کو انقلابی ترقیاں دیں گے، ہمارا دیش دنیا کے صف اول میں ایک انقلابی دیش ہو گا"۔ یہ وہ الفاظ تھے جو لیو چچا نے اپنی بیوی اپنے نوجوان لڑکے لائی اور اپنے دوسرے ساتھیوں اور مجھ سے کہے تھے۔ میں بہت کچھ کھو چکا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ لیو چچا سے کچھ عرض کروں۔ لیکن جیسے ہی میں نے کہنے کے لئے اپنا منہ کھولا،

میں نے دیکھا کہ وہ اور لائی موٹر کو دھکا دیتے ہوئے ورکشاپ کی طرف دوڑتے چلے جا رہے ہیں چچا لیو نے اپنے پورے جسم کو بھاری چادر میں لپیٹ رکھا تھا۔ انہیں ہلکا ہلکا بخار تھا۔ پھر بھی اپنے کام کو انجام تک پہنچانے کی دھن میں مگن تھے میں نے چچا لیو کے قریب پہنچ کر کہا۔ "چچا لیو تمہیں آرام کی ضرورت ہے"۔

چچا لیو نے مسکراتے ہوئے اپنے مخصوص لہجے میں "معمولی بخار ہے، کام کروں گا۔ تو بھاگ جائے گا۔ ویسے بھی یہ وقت آرام کا نہیں۔ موسم بہار کی فصل کی تیاری میں ہمیں کسانوں کا پورا پورا ساتھ دینا ہے"۔

اتنا کہہ کر چچا لیو نوجوان لائی کے ساتھ موٹر کو درست کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ان کے چہرے کی جھریوں میں نئی زندگی "کے شباب کی چمک تھی۔ ان کے بوڑھے جسم میں آنے والے خوشگوار دنوں کی گرمی اور جوش تھا "ہمارے دل کسانوں کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ ساتھ چلیں گے"۔

مشرقی پاکستان کے ضمنی انتخاب کے پس منظر میں غیر مرئی ہاتھ

نمائندہ الفتح ڈھاکہ

مشرقی پاکستان میں ضمنی انتخابات کے نام پر جو ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے اس کا کلائمکس نظروں کے سامنے ہے اور ڈراپ سین دسمبر ۱۹۷۱ء میں پیش کیا جانے والا ہے۔ اس ڈرامہ میں ابھی تک جو کچھ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق قومی اسمبلی کی ۷۸ نشستوں میں سے ۵۱ نشستوں پر دائیں بازو کی چھ سیاسی جماعتوں اور پاکستان پیپلز پارٹی کے چھ امیدوار بلا مقابلہ کامیاب ہو چکے ہیں اور اب صرف ۲۱ نشستوں پر مقابلہ ہونے والا ہے۔ ان ۲۱ نشستوں پر بھی بلا مقابلہ انتخاب ہو جاتا اگر میدان میں پاکستان پیپلز پارٹی نہ ہوتی اور دائیں بازو کی چھ سیاسی جماعتوں کے متفقہ امیدواروں کے مقابلہ میں خود انہیں پارٹیوں کے "باغی عناصر" اپنے امیدوار نامزد نہ کرتے۔ چھ سیاسی جماعتوں اور ایک "غیر مرئی ہاتھ" کی جانب سے اس بات کی پوری کوشش کی گئی کہ آپس میں مقابلہ ہوئے بغیر قومی اور صوبائی اسمبلی کی نشستیں تقسیم کر لی جائیں اور دنیا کو ظاہری طور پر ضمنی انتخابات کا ڈرامہ بھی دکھایا جائے لیکن دائیں بازو کی چھ سیاسی جماعتوں کی تنگ نظری اور بے صبری نے تمام منصوبے پر پانی پھیر دیا اور "غیر مرئی ہاتھ" کی رٹ نے دنیا کے سامنے بھانڈا پھوڑ دیا ورنہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ اور الیکشن کے نام پر مزے سے سلیکشن ہو جاتا۔ لیکن مشرقی پاکستان (بلکہ پورے پاکستان) کے سنجیدہ سیاسی اور وطن پرست حلقوں کی جانب سے دریافت کیا جا رہا ہے کہ آخر اس ڈرامے کا مقصد کیا ہے؟

۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کے بعد مشرقی پاکستان میں جو زبردست سیاسی بحران پیدا ہوا اور جس کے نتیجہ میں کئی لاکھ بنگالی اور غیر بنگالی مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے گولیوں کا نشانہ بن گئے، اس کا تقاضا تھا کہ مشرقی پاکستان کے سیاسی بحران کا حل تلاش کیا جاتا اور مشرقی پاکستان میں حالات کو معمول پر لانے کے لئے سنجیدہ کوشش کی جاتی لیکن افسوس ایسا نہیں کیا گیا۔ عوامی لیگ کو خلاف قانون قرار دینے کے بعد بہتر تھا کہ ان عوامی نمائندوں کو لے کر سول حکومت بنائی جاتی جنہیں عوام نے منتخب کیا تھا۔ اور جن پر عوام کو اعتماد تھا۔ میری مراد پی ڈی پی کے منتخب ممبروں اور عوامی لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے قومی اور صوبائی اسمبلی کے اہل اراکین سے ہے۔ لیکن ایسا کرنے کی بجائے گورنر ڈاکٹر مالک کی سرکردگی میں ایسے سیاسی لیڈروں پر مشتمل سول حکومت قائم کی گئی جن پر عوام کو قطعی اعتماد نہیں ہے اور جنہیں مشرقی پاکستان کے عوام کی اکثریت نے مسترد کر دیا ہے۔ حکومت نے مشرقی پاکستان میں حالات کو معمول پر لانے اور مشرقی پاکستان کے سیاسی بحران کا حل تلاش کرنے کے لئے قومی اور صوبائی اسمبلی کی خالی نشستوں پر ضمنی انتخابات کرانے کا جو فیصلہ کیا تھا۔ وہ راست اور مناسب تھا۔ اور اس فیصلہ سے صرف اس وقت ہی مثبت نتیجہ نکل سکتا تھا جبکہ مشرقی پاکستان میں آزادانہ اور غیر جانبدارانہ طور پر ضمنی انتخابات کا انتظام کیا جاتا۔ لیکن مشرقی پاکستان کا ضمنی انتخاب اس وقت ڈھونگ ہو کر رہ گیا جبکہ ایک "غیر مرئی ہاتھ" کی جانب سے سیاسی پارٹیوں کو آپس میں متحد ہونے اور متفقہ امیدوار نامزد کرنے پر مجبور کیا گیا۔ مشرقی پاکستان کی دائیں بازو کی جن چھ سیاسی جماعتوں نے آپس میں انتخابی اتحاد (بہ الفاظ دیگر سیاسی گٹھ جوڑ) کیا ہے۔ ان سے عوام اچھی طرح واقف ہیں یہ وہ مفاد پرست، تنگ نظر اور خود غرض سیاسی پارٹیاں ہیں جن کے لئے "قومی مفاد" اور "وقت کا تقاضہ" وغیرہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور جو صرف ذاتی اور جماعتی مفاد کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ سیاسی جماعتیں گذشتہ عام انتخابات کے وقت بھی میدان انتخاب میں آئی تھیں اور انہوں نے اسلام کے نام پر بائیں بازو کی جماعتوں کے خلاف محاذ بنانے اور آپس میں انتخابی سمجھوتہ اور مفاہمت کرنے کی کوشش کی تھی لیکن انتخاب سے قبل ہی ان کے مابین جوتیوں میں دال بٹنے لگی تھی، اس دفعہ بھی جب مشرقی پاکستان میں قومی اور صوبائی اسمبلی کے ضمنی انتخابات کا وقت آیا تو ان جماعتوں نے ایک بار پھر متحدہ محاذ اور انتخابی سمجھوتہ کا نعرہ بلند کرنا شروع کیا لیکن سوال یہ تھا کہ دائیں بازو کی یہ سیاسی جماعتیں کس کے خلاف محاذ بنائیں گی؟ ان کا وہ کون سا مشترکہ حریف ہے۔ جس کے وجود سے ان جماعتوں کو خطرہ ہے؟ عوامی لیگ کو کالعدم قرار دینے اور نیشنل عوامی پارٹی (بھاشانی اور ولی گروپ) پاکستان نیشنل لیگ اور پاکستان کرشک سرامک پارٹی کے انتخاب میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے مشرقی پاکستان میں ان چھ سیاسی جماعتوں کے مشترکہ حریف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ رہ گیا پاکستان پیپلز پارٹی کا سوال، تو یہ پارٹی اپنی عمر اور تنظیم کے اعتبار سے مشرقی پاکستان میں اتنی بڑی اور مضبوط پارٹی نہیں تھی جس سے ان چھ سیاسی جماعتوں کو خطرہ پیدا ہوتا۔ پھر ان سیاسی جماعتوں نے آپس میں کیوں متحدہ محاذ بنایا اور متفقہ امیدوار نامزد کیا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو بار بار عوام کی جانب سے کیا جا رہا ہے اور جس کا جواب دینا آج ہر محب وطن کا فرض ہے۔ ہماری اطلاعات کے مطابق یہ سیاسی جماعتیں ہرگز آپس میں متحد نہ ہوتیں اور ان میں نشستوں کی تقسیم کے سوال پر اتفاق نہ ہوتا اگر "غیر مرئی ہاتھ" کی جانب سے ان پر دباؤ نہ پڑتا۔ ہماری اطلاعات کے مطابق ایک انتہائی بااثر اور بااختیار شخصیت نے نور الامین اور دوسری پانچ سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں پر یہ واضح کر دیا تھا۔ کہ اگر انہوں نے نشستوں کی تقسیم اور متفقہ امیدواروں کی نامزدگی پر اتفاق نہیں کیا تو ان کا برا حشر ہوگا اور کوئی بھی سیاسی جماعت اکثریت میں نہیں آئے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ مفاد پرست عناصر یہ چاہتے بھی نہیں ہیں کہ کوئی پارٹی مرکز اور صوبہ میں اکثریت میں آئے تاکہ انہیں کھل کھیلنے کا موقع ملتا رہے۔ چنانچہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کچھ اس طرح نشستیں تقسیم کی گئیں کہ کوئی سیاسی پارٹی قومی اسمبلی میں اکثریت میں نہ آئے تاکہ مرکز میں وزارتیں بنتی اور ٹوٹتی رہیں اور وہی ڈرامہ ایک بار پھر کھیلا جائے جو اسکندر مرزا [illegible] مفاد پرست عناصر کی جانب سے اسٹیج کیا جاتا تھا [illegible] بحسن و خوبی مکمل ہو جاتا اگر دائیں بازو کی

نورالامین اور دوسری جماعتوں پر دباؤ ڈالنے والی با اثر شخصیت کون ہے؟

چھ سیاسی جماعتوں کی جانب سے تنگ نظری اور بے صبری کا مظاہرہ نہ کیا جاتا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے فیصلہ کیا تھا کہ پیپلز پارٹی کی علاقائی سطح سے بلند کر کے ایک قومی سیاسی جماعت کی حیثیت دینے کے لئے ضروری ہے کہ مشرقی پاکستان کے ضمنی انتخابات میں حصہ لیا جائے، چنانچہ پیپلز پارٹی نے مشرقی پاکستان کے ضمنی انتخابات میں حصہ لینے کی تیاریاں شروع کر دیں اور قومی اور صوبائی اسمبلی میں کئی امیدواروں کو نامزد کر دیا۔ دائیں بازو کی چھ سیاسی پارٹیوں نے بھی پیپلز پارٹی کے مقابلہ میں خم ٹھونک لیا لیکن دیکھتے ہی دیکھتے نہ جانے کیا ہوا کہ چھ سیاسی جماعتوں کے متفقہ امیدواروں نے انتہائی غیر متوقع طور پر پیپلز پارٹی کے چھ امیدواروں کے حق میں اپنی دستبرداری کا اعلان کر دیا اور اور اس طرح پیپلز پارٹی کے چھ امیدوار قومی اسمبلی کی نشست پر بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔ اس حیرت ناک اقدام نے سارے پاکستان کے سیاسی حلقوں کو حیرت میں ڈال دیا اس بارے میں جب چھ سیاسی جماعتوں کے مشترکہ لیڈر نورالامین سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے بڑی معصومیت سے اپنی عدم واقفیت کا اظہار کیا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا چھ متفقہ امیدواروں نے اپنے کاغذات نامزدگی واپس لینے سے قبل ان سے صلاح و مشورہ کیا تھا؟ اس کا جواب انہوں نے نفی میں دیا۔ اس بارے میں دوسری پانچ سیاسی جماعتوں کے لیڈروں سے بھی دریافت کیا گیا لیکن انہوں نے بھی کچھ بتانے سے مجبوری ظاہر کی اور اس طرح عوام کو پہلی بار احساس ہوا کہ مشرقی پاکستان میں ضمنی انتخابات کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایک ڈرامہ ایک تماشہ اور ایک مذاق تو ہے لیکن انتخاب نہیں ہے۔

مشرقی پاکستان کے ضمنی انتخابات کے پس پردہ کیا ہو رہا ہے۔ ابتدا میں اس کا علم عام لوگوں کو نہیں تھا لیکن جماعت اسلامی کے ترجمان بنگلہ اخبار سنگرام نے اپنے صفحہ اول پر ایک مختصر سی خبر شائع کی جس میں اس نے انکشاف کیا کہ ایک "غیر مرئی ہاتھ" دائیں بازو کی جماعتوں کو پیپلز پارٹی کے حق میں چند نشستوں سے دستبردار ہونے کے لئے مجبور کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قومی اسمبلی کی نشستوں کے لئے کاغذات نامزدگی واپس لینے کی آخری تاریخ ۲۸ اکتوبر سے بڑھا کر ۳ اکتوبر کر دی گئی ہے۔ اس خبر کی اشاعت کے چند دنوں کے بعد پی ڈی پی اور متحدہ محاذ کے سربراہ نورالامین جس طرح اچانک صدر یحییٰ سے ملنے کے لئے مغربی پاکستان آئے اس نے ملک کے سیاسی حلقوں کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔ نورالامین نے یہاں پہنچ کر کہا کہ مشرقی پاکستان میں ضمنی انتخابات کے سلسلہ جو کچھ ہو رہا ہے اس سے وہ خوش نہیں ہیں اور وہ صدر یحییٰ سے ملاقات کے دوران مشرقی پاکستان کے ضمنی انتخابات میں "غیر مرئی ہاتھ" کی مداخلت کے بارے میں دریافت کریں گے۔ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ نورالامین مشرقی پاکستان میں قومی اسمبلی کی چھ نشستوں پر پیپلز پارٹی کی غیر متوقع کامیابی سے سخت ناراض ہیں۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ پیپلز پارٹی کی مذکورہ کامیابی سے انتخابی محاذ اور اتحاد کرنے والی چھ سیاسی جماعتوں میں زبردست اختلافات پیدا ہو گئے ہیں خصوصاً جماعت اسلامی کی حالت بڑی نازک ہو گئی ہے کیونکہ جماعت کے امیدوار اے قاسم نے دیناج پور کے حلقہ انتخاب این ای ۔ اے سے پیپلز پارٹی کے امیدوار قمر الزمان کے حق میں اپنا نام واپس لے لیا ہے۔ نورالامین اس لئے بھی بہت بے چین ہیں کہ انہیں پیپلز پارٹی کے امیدوار کی کامیابی کے لئے اپنی پارٹی (پی ڈی پی) کے جوائنٹ سیکرٹری اور قومی اسمبلی کے سابق رکن احمد علی منڈل کو قربان کرنا پڑا ہے احمد علی منڈل ڈھاکہ کے مضافات سے مقابلہ کر رہے تھے۔ سوائے نظام اسلام پارٹی کے انتخابی محاذ میں شامل پانچوں سیاسی جماعتوں (جن میں جماعت اسلامی بھی شامل ہے اور جو پیپلز پارٹی کی دشمن نمبر ایک سمجھی جاتی ہے) کو پیپلز پارٹی کے امیدواروں کے لئے گنجائش نکالنی پڑی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ نورالامین انتخابی محاذ میں شامل دیگر سیاسی جماعتوں کی درخواست پر صدر یحییٰ کو یہ سمجھانے گئے ہیں اگر متحدہ محاذ کے متفقہ امیدواروں میں سے مزید چند امیدواروں کو قربان کر کے پیپلز پارٹی کو مزید نشستیں دلوائی گئیں تو دائیں بازو کی سیاسی جماعتوں میں بڑی بے چینی اور بد دلی پیدا ہو جائیگی اور وہ حکومت سے تعاون و اشتراک نہیں کریں گی۔ نورالامین سے کہا گیا ہے کہ وہ صدر یحییٰ کو واضح طور پر بتا دیں کہ محاذ میں شامل چھ سیاسی جماعتوں نے ہر نازک موقع پر حکومت سے تعاون کیا ہے اگر کسی غیر مرئی قوت کی جانب سے پیپلز پارٹی کو مزید نشستیں دینے کے لئے دباؤ ڈالا گیا تو محاذ میں زبردست انتشار پھیل جائے گا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ میاں محمود علی قصوری اور مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ نے دعویٰ کیا ہے کہ پیپلز پارٹی قومی اسمبلی کی مزید کئی نشستوں پر کامیاب ہو گی۔ نورالامین کے اندیشہ کے

۷؍دسمبر ۱۹۷۰ء کے مشرقی پاکستان میں عام انتخابات کا تجزیہ

(کل ووٹ ۱۴۷۰۳ ڈالے گئے)

(تعداد ہزاروں میں)

نمبر شمار	جماعت	امیدواروں کی تعداد	کل ووٹ ڈالے گئے	نشستوں کا اوسط	حاصل کردہ ووٹ
۱	عوامی لیگ	۱۶۲	۱۱۰۱۹	۷۴۶۸ فیصد	۱۰۰ فیصد
۲	جماعت اسلامی	۷۴	۹۹۰	" ۶۶۷	" ۹۶۰
۳	کونشن مسلم لیگ	۹۲	۵۳۶	" ۳۶۸	" ۴۶۹
۴	مرکزی جمیعت العلمائے پاکستان	۴۲	۵۰۱	" ۳۶۴	" ۴۶۵
۵	پاکستان جمہوری پارٹی	۷۲	۴۳۴	" ۳۶۰	" ۳۶۹
۶	کونسل مسلم لیگ	۴۲	۳۱۶	" ۲۶۱	" ۲۶۹
۷	نیپ (ولی)	۳۳	۳۳۰	" ۱۶۶	" ۲۶۲
۸	قیوم مسلم لیگ	۶۲	۱۶۴۶	" ۱۶۰	" ۱۶۳
۹	نیپ (بھاشانی)	۱۳	۳۰	" ۰۶۳	" ۰۶۳
۱۰	پاکستان نیشنل کانگریس	۱۱	۱۸	" ۰۶۲	" ۰۶۲
۱۱	اسلامی گنتنتری دل	۴	۵۰	" ۰۶۴	" ۰۶۵
۱۲	جاتیو جنیا دل	۴	۵۰	" ۰۶۴	" ۰۶۵
۱۳	کرشک شرامک پارٹی	۴	۱۵	" ۰۶۱	" ۰۶۱
۱۴	آزاد امیدوار	۸۸	۴۰	" ۲۶۶	" ۳۶۶



چھ سیاسی جماعتوں کی ہنڈیا چوراہے پر پھوٹنے والی ہے

پیش نظر پیرزادہ کا مذکورہ دعویٰ قابل ذکر ہے۔

مشرقی پاکستان کے سیاسی حلقوں کا کہنا ہے کہ اگر پیپلز پارٹی کے مزید چند امیدوار ضمنی انتخابات میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو پیپلز پارٹی اور ولی نیپ اور ہزاروی گروپ کے اشتراک سے مرکز میں وزارت بنا سکے گی۔ اس وقت پیپلز پارٹی کو قومی اسمبلی میں ۱۰۸ ممبروں کی حمایت حاصل ہے جن میں اس کے ۸۴ ممبران (ان میں چھ نئے منتخب شدہ ممبر بھی شامل ہیں) اور ولی نیپ اور جمیعت العلمائے اسلام (ہزاروی گروپ) کے سات سات ممبر شامل ہیں۔ اگر پیپلز پارٹی نے چند آزاد ممبروں کا تعاون حاصل کر لیا تو وہ مرکز میں بہ آسانی وزارت قائم کر سکے گی۔ کیونکہ وزارت سازی کے لئے ۳۱۳ اراکین کے ایوان میں ایک سو گیارہ ممبروں کی عام اکثریت کی ضرورت ہو گی اگر فرض کر لیا جائے کہ دائیں بازو کی چھ سیاسی جماعتیں ۷۶ نشستوں پر کامیاب ہو جائیں گی تو بھی قومی اسمبلی میں ان کی مجموعی تعداد ۹۶ رہے گی (۷۶ + ۱ + ۲۳) پی ڈی پی اور نظام اسلام پارٹی نے مغربی پاکستان میں قومی اسمبلی کی ایک بھی نشست حاصل نہیں کی ہے جبکہ مغربی پاکستان میں قومی اسمبلی میں قیوم مسلم لیگ کو ۱۰ کونسل مسلم لیگ کو ۷ جماعت اسلامی کو ۴ اور کنونشن مسلم لیگ کو ۲ نشستیں حاصل ہیں قومی اسمبلی میں وزارت بنانے کے لئے دونوں جانب (پیپلز پارٹی اور چھ سیاسی جماعتوں) کی جانب سے کوشش کی جائے گی اور فریقین اس مقصد کے لئے آزاد اور غیر جماعتی اراکین اسمبلی کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگر چھ سیاسی جماعتوں کا محاذ اور غیر جماعتی اراکین اسمبلی کا اشتراک حاصل کرتے اور انہیں اپنی کمان کے اندر رکھنے میں کامیاب رہا تو بھی اسمبلی میں پیپلز پارٹی کو آوٹ نمبر کرنا مشکل ہو گا۔ کیونکہ اس وقت دونوں جانب اراکین اسمبلی کی مساوی تعداد ہو گی۔ پیپلز پارٹی اور پاکستان جمہوری پارٹی کے مابین اشتراک اور تعاون کے بارے میں اس وقت جو پیشن گوئیاں کی جا رہی ہیں انہیں قطعی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ نورالامین نے مغربی پاکستان کے حالیہ سفر کے دوران پی پی پی اور پی ڈی پی کے مابین اشتراک و تعاون کے امکان کو قطعی خارج از امکان قرار نہیں دیا ہے اس لئے اگر وزارت سازی کے سوال پر ان دونوں جماعتوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو حیرت کی بات نہیں ہے ان تمام باتوں سے قطع نظر قومی اسمبلی میں اصل طاقت کا توازن عوامی لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہونے والے اہل اراکین قومی اسمبلی پر ہے حکومت نے ابھی تک عوامی لیگ کے قومی اسمبلی کے ۸۸ اراکین کو اہل قرار دیا ہے ان میں سے کتنے اراکین اسمبلی ۲۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کو منعقد ہونے والے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کریں گے۔ بتانا مشکل ہے۔ لیکن الحاج ظہیرالدین کا خیال ہے کہ ان میں سے نصف اراکین اسمبلی قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کریں گے، لیکن دوسرے ذرائع کا کہنا ہے کہ اس وقت عوامی لیگ کے صرف ۲۳ اہل اراکین اسمبلی مشرقی پاکستان میں موجود ہیں، ملک میں موجود عوامی لیگ کے اہل اراکین کی خواہ جو بھی تعداد ہو۔ اس میں شک نہیں کہ وہ جب قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کریں گے تو انتہائی اہم کردار ادا کریں گے۔ اور پاکستان کے مستقبل کی سیاست کو بے حد متاثر کریں گے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان جمہوری پارٹی ان دونوں جماعتوں کی جانب سے عوامی لیگ کے اہل اراکین اسمبلی کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے

یہ کافی دلچسپ بات ہے کہ ایک جانب جبکہ پیپلز پارٹی چھ سیاسی جماعتوں کے لئے درد سر بنی ہوئی ہے، عین اس وقت چھ سیاسی جماعتوں کے بعض رہنما اور کارکن بھی بغاوت پر آمادہ ہیں اور جماعتی ضبط و نظم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ اپنی جماعت کے متفقہ امیدواروں کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے ان چھ سیاسی جماعتوں کی پوزیشن مزید ابتر ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ مثلاً کنونشن مسلم لیگ کے سربراہ فضل القادر چوہدری چٹاگانگ کے حلقہ این ای ۱۵۵ سے کھڑے ہوئے ہیں۔ جبکہ اس حلقہ سے پی ڈی پی کے ممتاز رہنما محمود النبی چوہدری مقابلہ کر رہے ہیں اسی طرح محمود النبی چوہدری چٹاگانگ کے حلقہ این ای ۱۵۸ سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ جہاں ان کے مقابل کنونشن مسلم لیگ کے حماد الرحمٰن پی ڈی پی کے سابق سینئر وائس پریذیڈنٹ مولوی فرید احمد اور فضل القادر چوہدری کے بھائی فضل الکبیر چوہدری کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اسی طرح چھ جماعتوں کے بعض "باغی امیدوار" اپنی ہی جماعتوں کے خلاف صف آرا ہیں۔ گذشتہ دنوں خواجہ خیرالدین، پروفیسر غلام اعظم اور دوسرے لیڈروں نے ان باغی عناصر سے قوم و ملک کا واسطہ دے کر درخواست کی ہے کہ وہ متفقہ امیدواروں کے حق میں انتخاب سے دست بردار ہو جائیں۔ لیکن معلوم ہوا ہے کہ ان کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی ہے۔ اور وہ آپس میں لڑنے کے لئے تیار ہیں۔

مشرقی پاکستان میں ووٹروں کی کل تعداد	۲۹۷۷۰۹۷۲
ضمنی انتخابات میں حصہ لینے والے ووٹروں کی تعداد	۱۵۴۶۸۰۰۰
قومی اسمبلی کی خالی نشستوں کی تعداد	۷۸

اس وقت مشرقی پاکستان میں سوائے چاٹگام پہاڑی ضلع اور نواکھالی کے تمام ضلعوں میں ضمنی انتخابات ہو رہے ہیں، خالی نشستوں اور ووٹروں کی تفصیل درج ذیل ہے

ضلع	کل نشستیں	خالی نشستوں کی تعداد	کل ووٹر
جیسور	۷	۷	۱۳۴۸۳۰۰
کشتیا	۴	۴	۷۳۷۸۶۰
ڈھاکہ	۱۰	۶	۱۷۰۵۰۰۰
سلہٹ	۱۱	۷	۱۴۴۵۵۰۰
کومیلا	۱۴	۷	۱۳۵۱۶۰۰
نواکھالی	۸	۴	۷۲۸۴۰۰
چاٹگام	۹	۳	۵۴۹۰۰۰
بوگرہ	۵	۲	۳۷۶۸۶۴
پبنہ	۶	۴	۷۷۱۷۰۰
راجشاہی	۹	۵	۹۴۷۰۰۰
کھلنا	۸	۳	۶۲۱۹۴۵
باقر گنج	۹	۵	۹۸۶۰۰۰
تنگائیل	۵	۳	۵۲۶۷۵۴
میمن سنگھ	۱۸	۶	۱۰۸۸۷۰۰
فرید پور	۱۰	۳	۵۹۱۷۴۹
رنگ پور	۱۲	۴	۷۳۳۰۰۰
دیناجپور	۶	۵	۹۵۸۰۰۰

چھ سیاسی جماعتوں نے آپس میں مندرجہ ذیل نشستیں تقسیم کیں۔

پاکستان جمہوری پارٹی	۲۳
جماعت اسلامی	۱۹
کونسل مسلم لیگ	۱۰
کنونشن مسلم لیگ	۹
قیوم مسلم لیگ	۹
نظام اسلام	۶
میزان	۷۶

بلا مقابلہ کامیاب ہونے والے امیدواروں



کی پارٹی پوزیشن۔

پاکستان جمہوری پارٹی	:	۱۱
جماعت اسلامی	:	۱۴
کونسل مسلم لیگ	:	۶
کنونشن مسلم لیگ	:	۷
پیپلز پارٹی	:	۶
قیوم مسلم لیگ	:	۴
نظام اسلام پارٹی	:	۶
میزان		۵۴

پیپلز پارٹی کے کامیاب ہونے والے امیدوار

(۱) این ای ۱۷ (دیناجپور) قمرالزمان (اے قاسم) جماعت اسلامی)

(۲) این ای ۹ (رنگپور) رئیس الدین (الیس اسلام کونسل لیگ)

(۳) این ای: ۶۰ (باقر گنج) شمس الدین احمد (عبدالرب کنونشن لیگ)

(۴) این ای: ۴۵ (جیسور) عبدالوہاب (رفیع الدین، قیوم لیگ)

(۵) این ای: ۱۰۷ (ڈھاکہ) اکرم حسین (احمد علی منڈل، پی ڈی پی)

(۶) این ای: ۲ (رنگپور) کمال حسین رضوی (اے بشیر، کونسل لیگ)

پاکستان پیپلز پارٹی کے مزید سات امیدوار قومی اسمبلی کی نشستوں پر مقابلہ کر رہے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

این ای ۴۷ (جیسور) ماجد علی انصاری (پی پی پی) مشرف حسین (پی ڈی پی)

این ای ۴۹ (جیسور) امیر حسین (پی پی پی) مولوی سلیمان علی ملا (جماعت اسلامی)

این ای ۱۱۹ (ڈھاکہ) محمد بادشاہ میاں (پی پی پی) شمس الدین احمد (پی ڈی پی)

این ای ۱۳۸ (کومیلا) محمد عبدالرب (پی پی پی) رمز الدین احمد (پی ڈی پی)

این ای ۳۰ (راجشاہی) بدیع العالم (پی پی پی) خیر الدین (کنونشن لیگ

مخلص الرحمن (کونسل لیگ) ماتر الدین (پی ڈی پی) این ای ۴۸

(جیسور) نصیر اسلام (پی پی پی) سید عبید اللہ (جماعت اسلامی)

این ای ۱۱۷، ڈاکٹر ایچ اے سکدار (پی پی پی) خواجہ خیر الدین (کونسل لیگ) الماس علی، سیف الرحمن اور محمد جہانگیر (آزاد)

شبّر تبسّم رضوی

غزل

گفتنی، ناگفتنی کہتے رہے!
جو حقیقت تھی وہی کہتے رہے

گیت بھی گائے، فسانے بھی لکھے!
ہر طرح دل کی لگی کہتے رہے

گفتگو اپنوں سے، غیروں سے ہوئی
بات جو دل کو لگی کہتے رہے

تیرگی کو تیرگی ہم نے کہا
روشنی کو روشنی کہتے رہے

ختم کر کے امتیاز رنگ و نسل
آدمی کو آدمی کہتے رہے

جو کہا ہم نے تبسّم سچ کہا
کچھ نہ کچھ یوں تو سبھی کہتے رہے



اچھا فلم بنانے کی تڑپ مجھے بیقرار رکھتی تھی

ممتاز فلم ساز وہدایت کار ضیاء سرحدی نے لکھا

محبوب کی دوسری فلم "دکن کوئین" سے لے کر سرج میں ملازمت کے ایام اور پھر سرو ج سے علیحدگی تک میرا فلم کیریئر بظاہر بہت کامیاب تھا۔ مختلف فلمی اداروں سے مجھ کو کہانیاں اور گیت لکھنے کے، ہر روز نئے آفر ملتے رہتے تھے اور میری آمدنی کی راہیں وسیع تر ہوتی جا رہی تھیں، لیکن ان تمام مادی اور طلائی سہولتوں اور مقبولیت اور شہرتوں کے باوجود، میری روح میں ایک مبہم طوفان تھا۔ ایک لاعلاج تڑپ اور بے قراری تھی۔ اپنی اس تڑپ اور بے قراری کو میں نے جب بھی تجزیئے کے پیمانے میں ڈالا اور ناپا تو مجھے بلاخوف تردید، یہی محسوس ہوا کہ میرا یہ تمام ہیجان اور میرے دل کی یہ شام وسحر کی دریدگی، صرف اسی وجہ سے ہے کہ میں ہنوز اچھی فلم لکھنے اور بنانے کے قابل نہیں ہوں، اس صورت حال کے پیش نظر اب سوال یہ تھا کہ اچھی فلم کس قسم کی فلم کو کہتے ہیں، اور وہ کیونکر بنایا جاتا ہے۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، دادا پھالکے (جو ہندوستان کے بابائے فلم تھے) کے دور سے لے کر، بابو راؤ پینٹر اور پھر شانتارام اور بمبئے ٹاکیز اور نیو تھیٹرز وغیرہ کے دور تک ہندوستانی فلم بہت سے مختلف تجرباتی مراحل سے گذر چکا تھا اور موجودہ ایام میں بھی اپنی سرگذشت کچھ اسی قسم کی تھی، غیر ممالک میں بھی سیلولائیڈ کے فیتے کو نت نئے تجرباتی زاویوں سے پرکھنے کا کام عام تھا اور خاص کر سوویت روس میں تو فلم کو بالکل ہی نئی ڈگر پر ڈال دیا گیا تھا۔

انگریز حکومت کی پابندیوں کی وجہ سے اگرچہ روسی فلمیں ہندوستان میں بالکل ہی ناپید تھیں، مگر ادھر ادھر کی خبروں سے یہ ضرور معلوم ہوتا رہتا تھا، کہ روس کے چند عظیم ہدایت کار اور فلمساز غیر معمولی تجربے کرنے لگے ہیں اور یہ تجربے، نہ صرف تکنیکی یا ہئیتی اعتبار ہی سے انوکھے ہیں۔ بلکہ مضامین اور نظریاتی اعتبار سے بھی، ان کی راہیں نمایاں طور پر مختلف ہیں۔ روس کے اس دور کے دو عظیم المرتبت ہدایتکار پوڈوکن اور ایزن سٹین تھے۔ یہ دونوں انقلاب کے ہمنوا تھے اور انقلاب کی ابتدائی تکمیل کے بعد ان دونوں ہدایتکاروں نے کئی لحاظ سے فن فلم کی ہیئت ہی بدل کے رکھ دی تھی نظریاتی اعتبار سے ان کی فلموں میں، طبقاتی جدوجہد کے نقوش بہت ہی نمایاں ہو کر سامنے آنے لگے تھے اور ان کی فلموں سے اب یہ ثابت ہونے لگا تھا کہ فلم دراصل ایک SOCIAL PHENOMENA ہے اور اس کا استعمال اسی نکتہ نظر سے جائز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ فلم کے اس جدید زاویۂ نگاہ نے دیگر ممالک کے فلم سازوں کو بھی جھنجھوڑنا شروع کر دیا ہو مگر پھر بھی یہ زاویۂ فکر واضح طور پر کم ازکم ہندوستان میں کہیں نظر نہیں آیا۔ فرینک کیپرا اور ارنسٹ لوبتش اگرچہ اسی دور کے صاحب فکر ونظر امریکی ہدایت کار تھے۔ مگر ان کی فلموں میں بھی (جو ہم دیکھ سکتے تھے) سطحی نشتر زنی کی حد تک ہی بات نظر آیا کرتی تھی، بہرحال اچھی فلم کا ہندوستانی نظریہ بھی کوئی ایک نہیں تھا۔ اور اس کے بارے میں طرح طرح کی فکر یاریاں ہوتی رہتی تھیں۔ کچھ لوگ اچھی فلم اس فلم کو سمجھتے تھے (اور اب بھی سمجھتے ہیں) جو باکس آفس پر کامیاب اترے اور اس رائے کے رکھنے والوں کی تعداد، اکثریت میں ہوتی تھی علاوہ ازیں اس طبقہ کے کچھ لوگ ایسے تھے۔ جو اپنی اپنی فلمی تاویلات اور نظریات کی گٹھریاں سروں پر لادے پھرتے رہتے تھے اور کچھ لوگ تو سرے سے ایسے تھے، جو فلم کو فن کے نام سے موسوم کرنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے، اس آخر الذکر گروہ کے خیال کے لحاظ سے، فلم ایک محض مشینی کاروبار تھا اور فلم ساز کا کام بقول اس کے، زندگی کے کینوس کو جوں کا توں پیش کر دینے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اپنی ابتدائی فلمی سوجھ بوجھ اور علمی استطاعت اور دانست کے بموجب میں ہنوز اس کا اہل نہیں تھا کہ فلم پر اپنا کوئی ٹھوس اور سوچا سمجھا ہوا نظریہ اخذ کر سکتا۔ لہٰذا ہر نظریہ فروش، ہر تاویل ساز اور تنقید پیشہ کی میں بخوشی لن ترانیاں سنتا رہتا بلکہ احترام کے ساتھ اور پھر اکثر یوں بھی ہوتا رہتا کہ میں تقریباً سب کی آرا اور خیالات کو واجب اور قابل عمل بھی گردانتے لگ جاتا۔ لیکن یہ سب کر لینے کے باوجود بھی یعنی ہر پھیر کے میں اپنے کوچۂ درد میں پھر پہنچ جاتا۔ اور پھر انہیں زخم ہائے دروں سے رستے ہوئے خون میں لتھڑ کے رہ جاتا۔ مدت دراز تک اسی سبب سے، میں دوراہے یا چوراہے پر ہی نہیں رہا، بلکہ اکثر وبیشتر میں تصادراہے پر مارے مارے پھرا کیا۔ تاہم اس دور میں بھی وہ بات جو خاص طور پر مجھ پر واضح رہی، یہ تھی، کہ فلم کے فن کو صرف کتابوں کے ذریعہ سے سمجھ لینا غیر ممکن ہے۔ اور فلم کو سمجھنے کے دو ہی طریقے ہیں ایک یہ کہ آپ فلم کو دیکھیں اور دوسرے یہ کہ فلم کے کام کو آپ عملی طور پر اپنا جزو حیات بنا لیں، اس کے علاوہ، فلم کی مرئی گرائمر اس کی جمالیات، اس کی نزاکتوں اور اس کے فن کارانہ پیچ وخم کو سمجھنا، اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ چنانچہ میرے لئے تو ظاہر ہے کہ فلم اب ایک اہم جزو حیات تھا۔ اور میں رنگ رنگ کی فلم بھی آئے دن دیکھتا رہتا تھا مگر باایں ہمہ یہ بات، عرصہ دراز تک میری سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ علاوہ دوسرے اوصاف اور نقوش کے معاشرتی ذمہ داری کا احساس بھی فلم کا ایک ناگزیر پہلو ہے اور اچھی فلم وہی سمجھی جا سکتی ہے۔ جو اس حسن وخوبی سے بھی مزین ہو۔

معاشرتی ذمہ داری

کا احساس

فلم کا ناگزیر پہلو ہے

پاکستان کے خلاف بھارت کے پہلے گول کا ذمہ دار کون ہے؟

کے۔ ایم۔ سی کی تقریب میں

ہاکی سلیکشن کمیٹی کے فیصلے کا مذاق اُڑایا گیا

لطافت علی صدیقی

"جانبداری" کی بنیاد پر منتخب کی گئی پاکستان کی قومی ہاکی ٹیم کو بین الاقوامی ہاکی ٹورنامنٹ میں بے شمار مشکلات اور آزمائشوں سے گذرنا پڑا۔ اس کے متعلق ٹیم کے منیجر کرنل جعفری نے سچ کہا تھا "ہماری ہاکی ٹیم کی کامیابی، پاکستان کے کروڑوں عوام کی دعاؤں کا نتیجہ ہے" اس سنگین صورت حال کے بعد یقین ہو چلا تھا کہ پاکستان ہاکی فیڈریشن کے عہدیدار اب پرانی ڈگر پر چلنا چھوڑ دیں گے اور غیر جانبداری کی راہ اختیار کریں گے۔

لیکن ان توقعات کے برعکس پاکستان ہاکی فیڈریشن کے عہدیداروں نے ایک بار پھر بروک بانڈ کی جانب سے ورلڈ کپ ہاکی ٹورنامنٹ کے بہترین کھلاڑی کے اعلان میں اپنی جانبداری کا کھلا ثبوت پیش کر دیا۔ سلیکشن کمیٹی مسٹر جمیل اختر عزیز (ہاکی سلیکشن کمیٹی کے چیئرمین) مسٹر خورشید زماں (سیکرٹری پاکستان ہاکی فیڈریشن) اور مسٹر جعفری (ٹیم کے منیجر) پر مشتمل تھی ان حضرات کی نظریں سنٹر ہاف ریاض احمد پر ٹھہریں اور انہیں بروک بانڈ کے میڈل کا مستحق قرار دیدیا گیا مگر یہ انتخاب قدرتی طور پر غلط تھا۔ کے ایم سی کی تقریب میں اس فیصلے کا مذاق اُڑایا گیا۔ جو پاکستانی ٹیم کے اعزاز میں ترتیب دی گئی تھی اس تقریب میں ریاض احمد کو انعام سے نوازا گیا۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا کہ آخر اس انتخاب میں جانبداری کا ثبوت کیوں دیا گیا؟

میرے علاوہ ہاکی کے تقریباً ہر شیدائی نے یہ بات محسوس کی ہوگی کہ تنویر ڈار واحد کھلاڑی ہے۔ جس نے بین الاقوامی مقابلے میں سب سے زیادہ گول بنائے۔ اور یہی کھلاڑی اس ایوارڈ کا سب سے زیادہ مستحق تھا۔ تنویر نے اٹھ گول کئے تھے۔ انفرادی طور پر یہ سب سے زیادہ اسکور رہا۔ اس میں ایک "ہیٹ ٹرک" بھی شامل ہے۔ چلئے اگر کسی وجہ سے تنویر ڈار تک آپ کی نگاہ نہ پہنچ سکی۔ تو منور الزماں تو سامنے تھا۔ اس نوجوان کھلاڑی نے بھارت کے خلاف فیصلہ کن گول کیا۔ اس نے دوسری بار ایک بین الاقوامی مقابلے میں کھیلتے ہوئے یہ عظیم الشان اسکور کیا۔

اگر یہ نوجوان کھلاڑی بھی سلیکشن کمیٹی کے معیار پر پورا اترتا نظر نہ آیا تو پھر یہ میڈل اختر السلام کو ملنا چاہیئے تھا۔ جس نے فائنل میں اسپین کے

کیا ریاض احمد سارے کھلاڑیوں سے منفرد اور ممتاز ثابت ہوئے ہیں؟

خلاف واحد گول بنا کر پاکستانی ٹیم کی برتری قائم کی۔ اگر اس کا نام بھی "ناپسندیدہ ناموں کی فہرست" میں شامل ہے تو پھر رشید جونیئر تو کہیں نہیں گیا تھا، جس نے سیمی فائنل میں ایک گول کر کے بھارت کی برتری ختم کر دی اور مقابلے کو برابر کر دیا۔ چند لمحوں کے بعد۔ پاکستانی ٹیم نے ایک دوسرا گول بنا کر بھارت کو ایک کے مقابلے میں دو گول سے شکست دیدی پوری قوم ریڈیو کمنٹری سن رہی تھی اور جب رشید جونیئر نے گول کیا تو ہر پاکستانی کا دل جھوم رہا تھا اور عوام اس لڑکے کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے رشید جونیئر کے گول نے تاریخ میں پہلی بار پاکستان اور بھارت کے مقابلے کو برابر کیا تھا۔ ماضی میں ہمیشہ یہ ہوا کہ جس ٹیم نے گول کیا وہ بالآخر فاتح بنی اس طرح رشید جونیئر کے گول سے ہاکی کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔

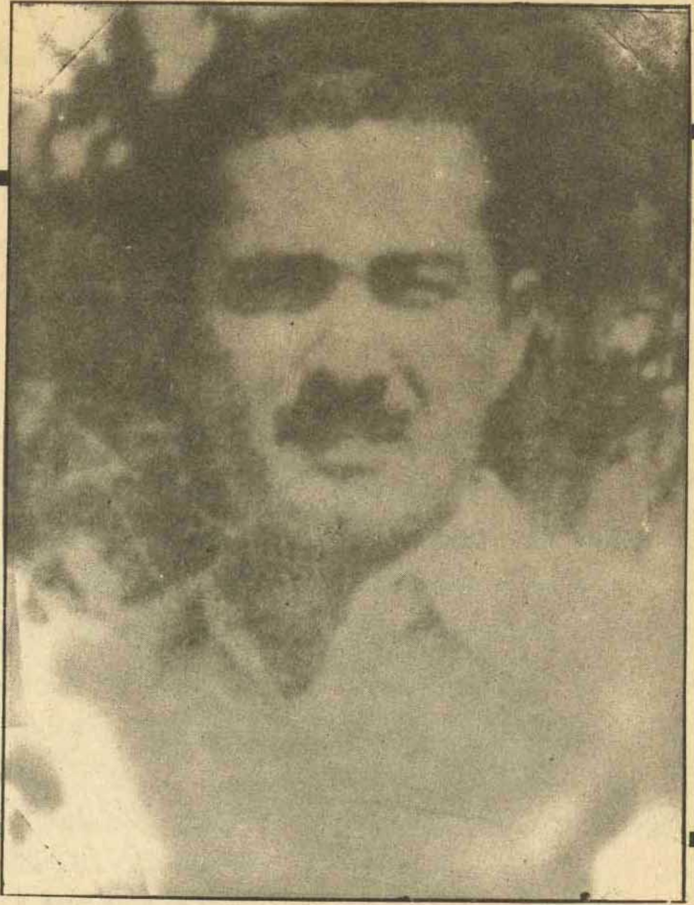
چوتھی پسند، لفٹ آوٹ شہناز ہونا چاہیئے۔ گو اس نے کوئی گول نہیں کیا لیکن وہ بڑی محنت سے کھیلا تھا

اگر یہ سارے کے سارے کھلاڑی اس انعام کے مستحق نہ تھے تو پھر یہ میڈل خالد محمود کو دینا چاہیئے تھا جس کی قیادت میں پاکستان ہاکی ٹیم نے بین الاقوامی کپ حاصل کیا۔

ریاض احمد ایک اچھے کھلاڑی ہیں۔ انہوں نے کھیل کے دوران اچھے کھیل کا مظاہرہ کیا فتح میں ان کی بھی خدمات شامل ہیں۔ لیکن وہ یقیناً ان تمام کھلاڑیوں سے منفرد اور ممتاز نہیں ہیں نہ ہی وہ اس انعام کے اول و آخر مستحق قرار دیئے جا سکتے ہیں۔

عام طور پر جب حریف ٹیم کا سنٹر فارورڈ گول کرتا ہے تو سنٹر ہاف پر اس کی ذمہ داری آتی ہے بھارت کے فارورڈ راجہ ندر نے ہماری ٹیم کے خلاف ایک انتہائی خوبصورت گول کیا۔ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ پاکستان نے چھ میچوں میں نو گول کئے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری ٹیم کا سنٹر ہاف جسے دفاع میں ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے کمزور نظر آتا ہے۔ ورنہ بیشمار گول یونہی ضائع نہ جاتے۔

جب ہماری ہاکی ٹیم کے عہدیدار کامیابی کے لئے خدا سے دعا کرتے ہیں تو انہیں خدا سے اس بات کی بھی دعا مانگنی چاہیئے کہ ہماری قومی ٹیم کو جانبداری اور اقربا نوازی کی لعنت سے نجات مل جائے۔



ایوبی انقلاب کو "انقلاب" نہ کہنے پر
قلعۂ لاہور میں خون کی ہولی کھیلی گئی

مزدور کسان پارٹی کے صدر ریٹائرڈ میجر اسحاق محمدؐ، شہید حسن ناصر پر ایک کتاب مرتب کر رہے ہیں۔ ذیل کا مضمون اِس کتاب کے چند اوراق پر مشتمل ہے۔ مذکورہ کتاب جناب اسحاق محمدؐ کی رہائی کے بعد شائع ہو سکے گی۔ اس میں مقدمے کی مکمل کارروائی اور تفصیلات درج ہیں۔ اس کی اشاعت کے حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں۔ ادارہ ذیل کے اوراق کی اشاعت کے لیے مرتب کا شکر گزار ہے

جرح کے دَوران پولیس کے پرخچے اڑ گئے

پولیس کے بیان کے مطابق "۳۰ سالہ حسن ناصر کراچی کی غیر قانونی کمیونسٹ پارٹی کے اہم رکن تھے، جس دن (۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء) ملک میں مارشل لاء نافذ ہوا۔ اسی دن سے وہ روپوش ہو گئے، پولیس کے کارندے ان کی تلاش میں مصروف رہے۔ آخر کار انہیں ۶ اگست ۱۹۶۰ء کو گرفتار کر لیا گیا اور قانون تحفظ پاکستان کے تحت ایک سال کے لئے نظر بند کر دیا گیا۔ ابتدا میں پوچھ گچھ کے لئے سی آئی ڈی کراچی کی تحویل میں دے دیئے گئے اور بعد ازاں مزید پوچھ گچھ کے لئے ۱۳ ستمبر ۱۹۶۰ء کو قلعہ لاہور میں منتقل کر دیئے گئے۔ جہاں انہوں نے ۱۳ نومبر کو کوٹھری نمبر ۱۳ میں خودکشی کر لی۔"

قلعۂ لاہور کے مخصوص حالات کے پیش نظر حسن ناصر کی موت کے بارے میں مختلف شکوک ذہن میں پیدا ہوتے ہیں ان کی موت کے اسباب کئی ہو سکتے ہیں۔

۱۔ انہوں نے خودکشی کر لی، جیسے کہ پولیس نے عدالتی انکوائری میں بتایا۔

۲۔ وہ تشدد کی وجہ سے شہید ہو گئے۔ بعد میں خودکشی کی کہانی گھڑی گئی۔

۳۔ انہیں خودکشی پر مجبور کیا گیا۔

۴۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے بھوک ہڑتال کی ہو، اس بھوک ہڑتال کو ختم کرانے کے لئے کوئی کوشش نہیں کی گئی، اور آخر کار وہ اسی وجہ سے فوت ہو گئے۔ بعد میں خودکشی کا ڈرامہ رچایا گیا

پولیس کے حکام جانتے تھے کہ خودکشی کی وجوہات بتانی ضروری ہوں گی۔ اس لئے ایس پی، سی آئی ڈی ۔ ۔ ۔ حبیب نے ۱۲ نومبر ۱۹۶۰ء کو سٹی مجسٹریٹ مسٹر ایم این رضوی کے روبرو یہ بیان دیا کہ متوفی شہرت یافتہ کمیونسٹ تھے۔ اور موجودہ حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے زیر زمین کام کر رہے تھے۔ انہیں کراچی میں گرفتار کیا گیا اور پھر لاہور لایا گیا لاہور میں انہوں نے ایک طویل بیان میں اپنی اور اپنے ساتھیوں کی سرگرمیوں کو ظاہر کر دیا تھا۔ ایک ہفتہ قبل ان کا بیان اور پوچھ گچھ مکمل ہو چکی تھی؛ اور ان کا بیان حکومت کو بھیجا جا چکا ہے میرے خیال میں متوفی نہایت حساس طبیعت کے مالک تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے بیان پر شرمندگی محسوس کرتے ہوئے خودکشی کر لی۔"

جرائم پر پردہ ڈالنے کے لئے جھوٹا خط پیش کیا گیا

اعجاز حسین ڈپٹی سنٹرل انٹیلی جنس آفیسر نے حسن ناصر سے پوچھ گچھ کی تھی۔ اس نے ۱۴ نومبر ۱۹۶۰ء کو سٹی مجسٹریٹ کے سامنے یہ بیان دیا "متوفی حسن ناصر صوبائی کمیونسٹ پارٹی کراچی کے سیکرٹری تھے، میں نے ان سے ایک ماہ تک پوچھ گچھ کی، وہ ایک حساس، قابل اور نہایت اعلیٰ خاندان کے نوجوان فرد تھے، ہمارے اس وعدے، کہ ان کے ساتھیوں کو گرفتار نہیں کیا جائے گا، انہوں نے اپنے ساتھیوں کے نام، اپنے اور سرگرمیاں ہمیں بتادیں، اپنا بیان دیتے ہوئے ایک مرتبہ متوفی اتنے جذباتی ہو گئے کہ انہوں نے اپنی جماعت کے بارے میں کچھ بتانے سے انکار کر دیا لیکن تھوڑی دیر بعد میں نے انہیں رام کر لیا۔ ان کا بیان تین ہفتے قبل مکمل ہو چکا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے بیان کے بعد شرمساری اور ندامت کی وجہ سے انہوں نے خودکشی کر لی۔"

پولیس کے حکام نے اتنی محنت سے جو داستان گھڑی تھی وہ جرح کے دوران جھوٹ ثابت ہوئی۔ اعجاز حسین نے جرح کے دوران کہا، "یہ کہنا درست نہیں کہ میں نے متوفی کی غیر موجودگی اور اس کی موت سے فائدہ اٹھا کر غلط بیان دیا، میں نے متوفی سے وعدہ کیا تھا کہ میں اپنی اطلاعات کا ذریعہ کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ اور یہ وعدہ نہایت سنجیدگی سے کیا گیا تھا۔ کیونکہ اطلاعات معلوم کرنے کا واحد طریقہ یہی تھا۔ میرے دو وعدے تھے۔

۱۔ کہ میں اس کی شخصیت کو اس کی ساتھیوں پر ظاہر نہیں کروں گا۔

۲۔ کہ اس کی مہیا کردہ اطلاعات کی بنا پر اس کے ساتھیوں کو گرفتار نہیں کیا جائے گا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے میں نے متوفی کے اس اعتماد سے جو اس نے مجھ پر کیا، انحراف نہیں کیا، متوفی کی مہیا کردہ اطلاعات کی وجہ سے کسی شخص کی گرفتاری ابھی تک میرے علم میں نہیں آئی اور نہ ہی مجھے متوفی کی جماعت کے کسی رکن کی گرفتاری کا علم ہے۔"

اس بیان پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کہا کہ یا تو حسن ناصر نے اپنے بیان میں ریاست کے خلاف سرگرمیوں پر کوئی روشنی نہیں ڈالی، یا اگر ریاست کے خلاف کوئی بات تھی۔ تو ان لوگوں کو گرفتار کیا جانا چاہیئے تھا، جو زیر زمین ریاست کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مزید کہا کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ زیر زمین ریاست کے خلاف کام کرنے والوں کو ابھی تک کیوں نہیں گرفتار کیا گیا، جب کہ یہ بات پھیل چکی ہے کہ حسن ناصر نے اطلاعات مہیا کر دی تھیں۔ اب وہ خبردار ہو چکے ہوں گے اور ایک معمولی سے ڈی ایس پی کو ایسا وعدہ کرنے کا اختیار کہاں سے حاصل ہو گیا؟ اعجاز حسین کے بعد کسی گواہ نے یہ نہیں کہا کہ حسن ناصر افسردہ، اداس اور اکل کھرے ہو گئے تھے۔ شہزادہ حبیب ایس پی سی آئی ڈی نے جرح کے دوران یہ تسلیم کیا کہ "میں نے ایک خط میں ایس، پی، سی آئی ڈی کراچی کو سفارش کی تھی کہ متوفی سے کئے گئے وعدے کا پاس رکھا جائے ...... اور مجھے اس بات کا کوئی علم نہیں کہ متوفی کے بتائے ہوئے افراد کو سی آئی ڈی پولیس کراچی نے گرفتار کیا ہے یا نہیں۔ شہزادہ حبیب نے یہ بھی تسلیم کیا کہ اس نے حسن ناصر کو صرف دو مرتبہ دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ قلعہ لاہور میں ان کی آمد سے پندرہ دن پہلے اور پھر ان کی موت سے بیس دن بیشتر۔

تیسرے گواہ سی آئی ڈی کے اسسٹنٹ ڈپٹی انسپکٹر جنرل حسن مصطفےٰ تھے، جرح کے دوران انہوں نے تسلیم کیا کہ انہوں نے حسن ناصر کو کبھی نہیں دیکھا۔ اور ان کے افسردہ اُداس اور اکل کھرے ہونے کی اطلاع ان کی موت کے بعد اعجاز حسین اور ایس پی، سی آئی ڈی نے دی تھی۔

ایڈووکیٹ جنرل پولیس کی مرتب کردہ کہانی کے سقم سے بخوبی واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے ۲۵ نومبر ۱۹۶۰ء کو ہائی کورٹ میں حسن ناصر کی والدہ کا ایک خط پیش کیا، جو

اگر حسن ناصر نے اپنے ساتھیوں کا نام بتایا تھا تو انہیں گرفتار کیوں نہیں کیا گیا؟

پولیس سے مجسٹریٹ کا سوال

بقول ان کے حسن ناصر کی کوٹھری سے ملا تھا۔ ایڈووکیٹ جنرل نے اپنی جرح کے دوران اس خط پر زیادہ زور دیا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ حسن ناصر کی گرفتاری اور نظر بندی کی خبر سن کر ان کے والد علمبردار حسین ذہنی توازن کھو چکے ہیں ایڈووکیٹ جنرل کا یہ ثبوت حماقت پر مبنی تھا کیونکہ حسن ناصر کے والد جناب علمبردار حسین تقریباً دس سال سے، ذہنی توازن کھو چکے تھے۔ اور بیگم زہرہ علمبردار حسین نے بتایا کہ انہوں نے اپنے خاوند کو حسن ناصر کی موت کی اطلاع نہیں دی، کیونکہ یہ اطلاع ان کے لئے بیکار ہی تھی۔

ڈاکٹروں، لائبریرین آفیسر اور دیگر گواہوں نے جو حسن ناصر سے قلعہ لاہور میں کوئی رابطہ رکھتے تھے۔ اپنے بیانات میں ان کے افسردہ ہونے اور اکل کھرا ہونے کے بارے میں کوئی بات نہیں کی بلکہ انہوں نے صحت مند اور خوش اخلاق بتایا کوٹھری نمبر ۱۳ قلعے کے دفتر سے ملی ہوئی ہے، ۲۰ اکتوبر ۱۹۶۰ء تک اس میں مسٹر سی آر اسلم نظر بند تھے، پولیس کے بیان کے مطابق حسن ناصر کو ۱۳ ستمبر ۱۹۶۰ء کو قلعہ میں لایا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ انہیں کسی دوسری کوٹھری میں رکھا گیا ہو گا۔ مدعی کی متعدد کوششوں کے باوجود سی آئی ڈی نے اس کوٹھری کو دیکھنے کی اجازت نہیں دی۔ جہاں انہوں نے حسن ناصر کو پہلے پہل رکھا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جس کوٹھری میں حسن ناصر کو رکھا گیا۔ وہ بالکل تاریک تھی؛ ہوا کی آمد و رفت کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ ستمبر اور اکتوبر میں یہ بہت گرم ہوتی ہے مدعی کو بھی ایسی ہی کوٹھری میں قلعہ لاہور میں رکھا گیا تھا وہ کوٹھری دوزخ کی مانند گرم تھی۔

پولیس نے حسن ناصر کی خودکشی کی کہانی یوں بیان کی کہ حسن ناصر ۶ فٹ ۲ انچ لمبا سوتی ازار بند استعمال کرتے تھے۔ انہوں نے اپنا پاجامہ گیلا کر کے اپنی گردن کے گرد باندھا۔ اس پر ازار بند کا پھندا لگایا اور دوسرا سرا جنوبی دیوار کی ۶ فٹ اور ساڑھے گیارہ انچ کی بلندی پر گڑی ہوئی کیل سے باندھ کر لٹک گئے۔ یہ کیل زنگ آلود، موٹی ہوئی اور ڈھائی انچ لمبی تھی۔

حسن ناصر کا قد چھ فٹ ایک انچ تھا۔ وہ پشاوری چپل پہنے ہوئے تھے۔ جس سے ان کا قد کم از کم ایک انچ اور بڑھ جاتا تھا، پنجوں کے بل کھڑے ہونے پر ان کے قد میں چند انچ کا مزید اضافہ ہو جاتا تھا۔ اس طرح ان کا قد چھ فٹ دو انچ تک پہنچ جاتا تھا، تین فٹ ایک انچ دوہرے ازار بند کو کیل میں پھنسایا گیا اور پولیس کے بیان کے مطابق یہ کیل صرف آدھا انچ پیچھے کی طرف جھکی۔ حسن ناصر دبلے پتلے آدمی تھے وزن ایک سو تین پونڈ اور قد چھ فٹ ایک انچ اگر دن پھندے کا کام دینے والے ازار بند نے زیادہ سے زیادہ بارہ انچ کا گھیراؤ کیا ہو گا۔ سر سے گردن تک ازار بند ۱۸ انچ یا بہت ہی زیادہ کہا جائے تو دس انچ تک گیا ہو گا۔ اس طرح سے خودکشی کرنے والے شخص کو کیل سے

ایڈووکیٹ جنرل پولیس کی کہانی کو پہلے ہی جانتے تھے

ایک فٹ تین انچ نیچے ہونا ضروری ہے تمام فاصلہ (مذکورہ آدمی کا قد چھ فٹ ایک انچ + ایک انچ چپل کی اونچائی + ازاربند کا وہ حصہ جو کیل سے گردن تک آیا ایک فٹ تین انچ) کم از کم ۸ فٹ ۵ انچ ہو جاتا ہے، جبکہ فرش سے کیل کا فاصلہ صرف ۶ فٹ ½ ۱۱ انچ تھا۔ اسی جگہ سے پولیس کی مرتب کردہ کہانی میں سقم پیدا ہو جاتا ہے۔

پولیس کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اور لائنز آفیسر جسے عینی گواہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ اس نے بیان دیا کہ کیل کا فرش سے فاصلہ ۸ فٹ تھا، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی جانب سے بار بار سوالات کے باوجود اس نے فاصلہ یہی بتایا۔ لیکن جب اسے یہ محسوس ہوا کہ وہ کیل کی اونچائی میں اضافہ نہیں کر سکتا۔ تو اس نے کیل اور گردن کا فاصلہ کئی انچ کم بتایا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ متوفی نیچے فرش کو چھو رہے تھے۔ اس گواہی نے فاضل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو اپنے فیصلے میں یہ لکھنے کا موقع مہیا کر دیا کہ ا۔

ریکارڈ میں موجود شواہد کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ متوفی کا جسم کیل کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ اس کے پاؤں کے پنجے کوٹھری کے فرش کو چھو رہے تھے اور متوفی کے گلے پر ملنے والا نشان نرخرے کی سامنے والی ہڈی کے نیچے تھا، یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ گلا گھٹ جانے کی وجہ سے موت واقع ہونے کے امکانات برائے نام تھے سر سڈنی اسمتھ اور فیڈرس کی کتاب "فورنسک میڈیس ٹسٹ" کے صفحہ ۲۵۲ پر "پھانسی" کے عنوان کے تحت مندرج توجیحات کی روشنی میں یہ توجیہہ مضحکہ خیز معلوم ہو گی"۔ اگر پھانسی کی وجہ سے دم گھٹ کر موت واقع ہو تو اس صورت میں موت کا سبب

وہ بوجھ ہے۔ جو جسم کے لٹکنے یا جھولنے سے گردن کو برداشت کرنا پڑتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ پورے جسم کے بوجھ کی وجہ سے دم گھٹ جائے۔ جسم کا معمولی بوجھ بھی مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔ اس حقیقت کے ثبوت کے لئے خود کشی کرنے والے بہت سے لوگ ہیں جن کے پاؤں خود کشی کے بعد زمین پر ٹکے ہوئے پائے گئے۔ اور بہت سی مثالیں ایسی ہیں جن میں پورے کا پورا جسم فرش پر ٹکا ہوا پایا گیا۔ لیکن ایسی صورت میں پھندے کا نشان عام طور پر نرخرے کی ہڈی کے نیچے سامنے کی جانب پایا جاتا ہے۔"

لیکن پولیس سرجن ڈاکٹر صدیق حسین کے بیان کے مطابق حسن ناصر کی موت پورا جسم لٹکنے کی وجہ سے ہوئی جس میں پنجے زمین پر ٹکے ہوئے نہیں ہوتے ہیں۔

متوفی کے تپلون کے بائیں گھٹنے پر نشان

مسٹر ایم۔ این۔ رضوی نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ میں لکھا کہ ۱۳ نومبر ۱۹۶۰ء کو کوٹھری نمبر ۱۳ میں متوفی کے جسم کا معائنہ کیا تو متوفی کی تپلون کے بائیں گھٹنے پر چونا کا نشان دیکھا تو دیوار سے رگڑ کھانے کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا جبکہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے جس نے موقعہ واردات کا معائنہ کیا اور جو پولیس کے بیانات سے واقف تھا۔ خیال ظاہر کیا کہ متوفی کا بائیں گھٹنہ کسی طرح سے بھی دیوار سے رگڑا نہیں کھا سکتا تھا۔ اس نے سٹی مجسٹریٹ کو ایک طویل خط میں لکھا کہ "میں نے بھی کسی پھندے کے بغیر اس جگہ سے چھلانگ لگائی تھی۔ اس عمل میں میرا گھٹنہ اور کہنی بڑی زور سے دیوار سے ٹکرائی، جہاں تک میری یادداشت ساتھ دیتی ہے، وہ میرا دایاں گھٹنہ اور کہنی تھی۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر حسن ناصر نے اپنی مرضی سے لٹکا ہو گا تو لازما اس کے دائیں گھٹنے اور کہنی پر چونے کے نشانات ہوں گے، یہ بات دیکھنے کے لئے میں نے متوفی کے جسم کا دوبارہ معائنہ کیا۔ تو دیکھا کہ اس کے بائیں گھٹنے پر نشان تھا جس کا میں نے اپنی یادداشت میں اندراج بھی کیا۔۔۔۔"

تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق کیل کی بلندی

تحقیقات کے ابتدائی زمانے میں ڈسٹرکٹ بار میں یہ خبر گرم تھی کہ قلعہ لاہور کے لائنز آفیسر شبیر حسین نے ایک محکمہ جاتی مقدمہ میں مدد کے لئے سابق وکیل سرکار میاں عبدالحق ایڈووکیٹ سے رابطہ قائم کیا۔ اس کے بیان کے مطابق ایک

صبح ایک سیاسی قیدی قلعہ میں مردہ پایا گیا۔ وہ کوٹھری کے کونے میں ایک دیوار کے اندر بنی ہوئی سیٹ میں بیٹھا ہوا تھا اس کی گردن میں ایک پھندا پڑا ہوا تھا جس کا دوسرا سرا دیوار میں گڑی ہوئی کیل سے بندھا ہوا تھا۔ لائنز آفیسر کے مطابق اس کا کام صرف قیدیوں کو کھانا مہیا کرنا تھا۔ جب کہ قیدیوں کے اصل انچارج تفتیشی افسر تھے لیکن وہ مطلق العنانی سے کام لے رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے اسے اور چار سنتریوں کو معطل کر دیا۔

جب یہ خبر مدعی کو معلوم ہوئی تو اس نے ان خطوط پر جستجو کی۔ تو اسے معلوم ہوا کہ تحقیقاتی رپورٹ میں فرش سے کیل کی اونچائی ابتداً میں ۶ فٹ ۸ انچ لکھی گئی تھی۔ بعد میں ۸ کو ۱۱ بنا دیا گیا۔ میرے ایک سوال پر تفتیشی افسر گواہ نمبر ۸ نے یہ کہا "جائے وقوعہ اور دیوار میں پیوست کیل اور فرش سے کیل کا فاصلہ رپورٹ ایکس پی این کے مطابق ۶ فٹ ۱۱ انچ تھا۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مذکورہ رپورٹ میں ۸ کی بجائے ۱۱ ہندسہ لکھا گیا اس وقت بھی یہ رپورٹ میرے پاس ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ۱۱ کا ہندسہ لکھنے سے پہلے ۸ کا ہندسہ لکھا گیا۔ جب ایک پیادہ سپاہی نے مٹھیوں سے فاصلہ ناپا تو میں اس کے فوری بعد پیمانہ سے پیمائش کی اور ۸ کا ہندسہ درج کر دیا، دونوں ہندسوں کے اندراج کے لئے ایک ہی پنسل استعمال کی گئی تاہم میں نے اس تبدیلی پر اپنے دستخط نہیں کئے۔"

لائنز آفیسر نے گواہی کے دوران کہا "قلعہ کے تفتیشی افسر کو مکمل آزادی ہے کہ وہ قلعہ میں نظر بند سے تفتیش دن یا رات کسی وقت بھی خاص صورت کے تحت کر سکتا ہے۔"

حسن ناصر کی نعش کا کیا ہوا؟

۱۲ دسمبر ۱۹۶۰ء کو جب شہید حسن ناصر کے نام پر اس کی والدہ کی درخواست پر ایک نعش نکالی گئی تو ان کی والدہ نے کہا کہ یہ میرے شہید بیٹے کی نعش نہیں، کیونکہ اس کے بال اس کے دانت اور اس کے پاؤں میرے بیٹے کے نہیں ہیں۔ اسی دن وہ بھارت روانہ ہو گئیں اور اگلے روز اسے پی پی نے ملک مقصود احمد انسپکٹر سی آئی ڈی قلعہ لاہور کا درج ذیل بیان جاری کیا۔

"ہمارے لئے یہ بات باعث تعجب نہیں کہ خاتون نے اپنے بیٹے کی نعش شناخت نہیں کی۔ ہمیں بالکل یقین ہے کہ بوڑھی عورت کو بھارتی کمیونسٹوں نے ہدایت کی تھی کہ وہ اپنے

بیٹے کی نعش قبول نہ کریں"۔

سی آئی ڈی کے انسپکٹر کا یہ بیان سفید جھوٹ تھا۔ کیونکہ مظلوم خاتون نے اپنے بیٹے کی نعش کو بھارت منتقل کرنے کے لئے بڑی جدوجہد سے کام لیا تھا انہوں نے بھارتی حکومت سے اجازت حاصل کی کہ وہ نعش کو لے جائیں گے ڈپٹی انسپکٹر جنرل سی آئی ڈی کے ذریعے درخواست دی کہ نعش کو پاکستان سے لے جانے دیا جائے۔ اس افسر نے بند تابوت کی تیاری کا حکم دیا اور نعش اور حسن ناصر شہید کی والدہ کے لاہور سے حیدر آباد دکن جانے کے انتظامات کئے۔ حقیقت یہ ہے کہ نعش کو برآمد کرنے میں تاخیر کی درخواست بھی خاتون محترمہ نے دی تھی کیونکہ ان تمام انتظامات کے لئے وقت درکار تھا اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ تازہ پوسٹ مارٹم کے بعد نعش ضروری انتظامات تک باہر پڑی رہے (مذکورہ انسپکٹر کے بیان پر مسٹر جسٹس ایس اے محمود آف لاہور ہائی کورٹ کے روبرو توہین عدالت کا مقدمہ دائر کیا گیا جو خارج کر دیا گیا، فاضل جج نے کھلی عدالت میں کہا کہ اس مقدمے کی بہت پبلسٹی ہو چکی ہے اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مذکورہ مقدمے سے متعلق ضروری حقائق بھی پیش کر دیئے ہیں)

۱۲ دسمبر ۱۹۶۰ء کی شام کو حسن ناصر کی والدہ شام کو قبرستان گئیں، انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ پولیس کی ایک بھاری جمعیت نے قبر کا محاصرہ کیا ہوا ہے، اور ان پولیس والوں نے موصوفہ سے بھی غیر مہذب سلوک کیا، جب نعش قبر سے باہر نکالی گئی۔ تو یہ حد سے زیادہ سڑی ہوئی تھی جبکہ لاش کی تدفین کو صرف ایک ماہ ہوا اور اس کی آلائشوں کو نکال دیا گیا تھا، ان دنوں لاہور میں موسم سرما تھا۔ اس موسم میں نعش کی یہ کیفیت قبر کے بارے میں شکوک و شبہات کا باعث ہوئی اور اس کی شناخت کرنا مشکل ہو گیا۔

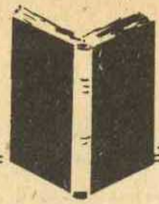
شکوک اس لئے بھی بڑھ گئے کہ لاش کی قلعہ سے پوسٹ مارٹم کی جگہ اور وہاں سے قبر تک کی منتقلی پورے طور پر ثابت نہیں ہوئی اور ریکارڈ میں کوئی ایسی شہادت موجود نہیں کہ حسن ناصر شہید کی لاش مختلف جگہوں پر لے جائی گئی، ہو سکتا ہے کہ حسن ناصر شہید کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے پیش نہ کیا گیا ہو اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ ان کی لاش کسی دوسری لاش سے تبدیل کر دی گئی ہو، بڑے گورکن نے مجسٹریٹ کو اپنے بیان میں بتایا کہ اُسے بتایا گیا تھا۔ کہ یہ لاش ایک ایسے قیدی کی ہے جس نے قلعہ میں خودکشی کر لی تھی۔ لیکن یہ بیان سی آئی ڈی کے ایس پی اور دیگر افسروں کے بیانات سے بالکل مختلف ہے جس میں بتایا گیا تھا کہ یہ معاملہ بالکل عوام سے پوشیدہ رکھا گیا تھا۔

الفتح

ناصر زیدی

ذات کا نوحہ

مری آنکھ کی پتلیوں میں ابھی
زرد موسم کی خوں رنگ بے تابیاں ہیں
ابھی میرے تلووں کے نیچے وُہی
راکھ کے ڈھیر ہیں
یہاں سے وہاں تک
وہی بے بسی ہے
وہی تشنگی ہے
مرے سُوکھے ہونٹوں پہ کائی جمی ہے
زباں پر کٹی
ان کہی راحتوں کے دُکھوں کا تعفن
مرے سرد شانوں پہ صدیوں پُرانے جنازوں کا انبار ہے
رکو، شب گزیدو!
رُکو!
رات آنے سے پہلے
یہ سب کھڑکیاں کھول دو۔
جلی شام کو زرد موسم کی خوں رنگ
بے تابیوں کی ضرورت نہیں



بیس سالہ تعلیمی دور کا ایک تجزیہ ——— آخری قسط

فیسوں میں پچاس فیصد کمی — درسی کتابوں کی کم قیمت

زبیر حسین

غیر متمدن اور غیر ترقی یافتہ جماعتیں تعلیم کو زیادہ اہمیت نہیں دیتیں لیکن تاریخ عالم اس بات کی شاہد ہے کہ کوئی جماعت جس درجہ متمدن ہوتی ہے وہ اسی حد تک تعلیم کو اہمیت دیتی ہیں۔ تعلیم ایک ایسا آلہ ہے جو قوم کو ہر وقت جوان العزم رکھتا ہے اور قوم میں نئی روح پھونکتا رہتا ہے۔ غیر متمدن جماعتیں یہ خیال کرتی ہیں کہ محکمہ تعلیم ایک ایسا محکمہ ہے جس میں خرچ ہی خرچ ہے اور آمدنی کوئی نہیں۔ انہوں نے تعلیم کی اہمیت پر کبھی غور نہیں کیا بلکہ یوں کہئے کہ وہ اس ارفع معاملے پر غور کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ چونکہ تعلیم و تمدن سے خود بے بہرہ ہیں ان کے دل میں ایک خوا بیدہ احساس موجود ہے، کہ ملک کا نظام تعلیم اچھی حالت میں ہو یا بری حالت میں یا بالکل ہی موجود نہ ہو تو بھی ہم زندہ رہ سکتے ہیں اور آسائش سے زندگی گذار سکتے ہیں زندگی کا معیار بالکل وحشی کا معیار ہے۔ عہد جاہلیت کا فرد بھی اس کا قائل تھا۔ متمدن دنیا میں قوم کے دیگر محکموں سے زیادہ اہم محکمہ تعلیم ہے۔ جاہلیت کا عہد ختم ہو چکا ہے موجودہ عملی زندگی بہت پیچیدہ اور ترقی یافتہ ہے۔

لیکن ارباب حل و عقد اپنے ملک کے کروڑوں عوام الناس کو علم و فن کی روشنی سے فیضیاب نہیں ہونے دینا چاہتے بلکہ ان کی کوشش تو یہ ہے کہ ملک کو ہزارہا سال پرانی معیشت و معاشرت کے بوسیدہ و قدامت پسند رجحانات، خیالات اور تصورات میں جکڑ دیا جائے معاشی منصوبہ بندی کے ماہرین اپنے آقاؤں کے طبقاتی مفادات کے تحت ہمیشہ منصوبہ بندی میں تعلیمی فنڈ مخصوص کرتے ہوئے انتہائی کمور بے حسی اور علم دشمنی کا اظہار کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں اسی پر اکتفا نہیں ہوتی بلکہ ہر منصوبے کے اختتام پر جب جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ معاشی منصوبے میں جو رقم تعلیمی اخراجات کے لیے مقرر کی گئی تھی اس کو بھی تعلیمی ترقی پر خرچ نہیں کیا گیا بلکہ کافی رقم بچ گئی ہے پہلے پانچ سالہ منصوبے اور دوسرے پانچ سالہ منصوبے میں تو یہی ہوا۔ اب چوتھا۔ پانچ سالہ منصوبہ شروع ہوا ہے تیسرے پانچ سالہ منصوبے پر شاندار کامیابی کی رپورٹ آگئی ہے لیکن پہلے منصوبے کے مطابق اس کا بھی وہی حال ہوا ہو گا۔ اس دوران نہ صرف تعلیم پر مخصوص کردہ رقم استعمال میں آنے سے بچی بلکہ خورد برد بھی ہوتی یہ دھاندلیاں اور مہربانیاں اس وقت تک جاری رہیں گی جب تک کہ عوامی مفادات کے نکتہ نظر سے تمام معاشرے کے مسائل اور بالخصوص طالبعلم برادری کے مسائل کے حل کے لئے مثبت انداز پر عمل شروع نہیں کیا جاتا اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ محنت کشوں اور طالب علم برادری کے حقوق کا تحفظ کرنے والی صحیح المسلک حکومت قائم ہو

میٹرک تک مفت اور عام تعلیم

"تعلیمی ترقی کے جائزہ" میں واضح طور پر اس ملک کے پچھلے تیئیس سالہ دور میں تعلیمی ترقی کے نام نہاد تصور کو حقیقی روپ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے پاکستان میں تعلیم کی ترقی کی بابت اس سے زیادہ اور کیا کہا جاسکتا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ ملک کی بارہ کروڑ آبادی کا صرف سترہ فی صدی حصہ زیور تعلیم سے آراستہ ہے اس سترہ فی صدی حصے میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو اپنی دستخط کر لیتے ہیں یا اخبار وغیرہ پڑھ لیتے ہیں۔

یہ ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ تعلیم ابھی تک زرداروں کے گھر کی لونڈی بنی ہوتی ہے۔ جب تک تعلیم کی روشنی کو ایک ایک گھر اور ایک ایک جھونپڑی تک نہ پہنچایا گیا اس وقت تک ہمارا وطن جہالت اور رجعت پسندی کی دلدل میں گھرا رہے گا اور قوم کی فلاح و بہبود کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ حکومت کو چاہیئے کہ کم از کم میٹرک تک تعلیم کو عوامی بنیادوں پر پھیلایا جائے اور ہر شہر اور ہر گاؤں میں میٹرک تک مفت تعلیم کا بندوبست کیا جائے

"فیسوں میں پچاس فی صدی کمی"

ملک کی آبادی کی بڑی اکثریت روز افزوں مہنگائی بے روزگاری اور پست اقتصادی حالت کی وجہ سے بھوک، افلاس اور بیماری کا شکار ہے عوام الناس کی واضح اکثریت اتنی استطاعت نہیں رکھتی کہ اپنے نونہالوں کو تعلیم دلا سکے۔ جس کی وجہ ظاہر ہے کہ تعلیم کے اخراجات ان کے قبضہ قدرت سے باہر ہیں۔ ناقابل برداشت حد تک بڑھتی ہوئی فیس اور مہنگی کتابوں کا مہیا کرنا ان کے لئے جوئے شیر لانے سے کچھ کم نہیں۔ اس لئے حکومت کو چاہیئے کہ فیسوں میں پچاس فی صد کمی کی جائے، درسی کتابوں کی کم قیمت مقرر کرے اور طلبا کو تمام دوسری ضروری ہولتیں فراہم کرے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ملک کے ہر حصے میں فیسوں میں یکسانیت پیدا کی جائے۔

طلبا سرگرمیوں کی آزادی

پاکستان میں طالب علم برادری کی تیئیس سالہ تاریخ دار و رسن کی تاریخ ہے۔ پورے معاشرے کے اس باشعور حصے کو اپنے حقوق و مطالبات کے حصول کے لئے بڑی کڑی آزمائشوں سے گذرنا پڑا ہے۔ قیام پاکستان سے آج تک طلبا نے جس بہادری پامردی سے ظلم و زیادتی کے خلاف موثر جہاد کیا وہ یقیناً پاکستان کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے

ایوب آمریت کے خلاف ۱۹۶۸ء میں ملک بھر میں طالب علم برادری کی عظیم جد و جہد نے ان کی مخفی قوت

اساتذہ کی اقتصادی پستی — طالب علموں کی خوشحالی میں رکاوٹ

کو اجاگر کیا ہے ان کے شعور کی تعمیر کی ہے اور ان میں تنظیمی شعور کو بیدار کیا ہے۔ اب یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ طالب علم برادری کسی بھی قسم کی زیادتی اور ناانصافی کو برداشت نہیں کرے گی۔ حکومت کو بھی چاہیئے کہ کڑی در کڑی واقعات کے نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے طلباء سرگرمیوں میں مداخلت نہ کرے اور ان کو فکر و عمل، تقریر و تحریر، بحث و مباحثہ اور یونین سازی کی آزادی دے تاکہ وہ معاشرتی فرائض ادا کرنے کے قابل ہو سکیں۔

درسگاہوں میں طلباء انجمنوں اور ان کے انتخابات کو انتظامیہ کی مداخلت سے پاک کیا جائے۔ انجمن طلباء کے آئین کی تشکیل کا حق صرف انجمن کے اراکین کو دیا جائے۔ یونیورسٹی کے تنظیمی قوانین اور ضابطوں کی تشکیل میں طلباء کو بھی نمائندگی ملنی چاہئے تاکہ ایسے قوانین اور ضوابط نہ تشکیل پا سکیں جن سے طلبا کی آزادی اور جمہوری کارکردگی کو سلب کیا جا سکے درسگاہوں کے انتظامی ادارے مثلاً سنڈیکیٹ اور اکیڈمک کونسل وغیرہ میں انتظامیہ اور اساتذہ کے ساتھ ہی طلباء کو بھی مساوی نمائندگی دی جائے۔

عورتوں کی تعلیم

پاکستان جیسے پسماندہ ملک میں جس کی معیشت ابھی تک نیم نوآبادیاتی رشتوں میں جکڑی ہوئی ہے اور رجعت پسندی کی گہری دھند نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے، قدرتی طور پر نصف آبادی خواتین پر مشتمل ہے۔ لیکن زندگی کی ہر شاہراہ پر خواتین مردوں سے بہت پیچھے ہیں اسی طرح تعلیم کے شعبے میں بھی خواتین مقابلتاً مردوں کے کافی پیچھے ہیں، ابتدائی ثانوی، اعلیٰ ثانوی اور اعلیٰ درجوں میں طالبات کا تناسب طلبا کے مقابلے میں بہت کم ہے حکومت کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق علوم و فنون، میڈیکل تجارت، قانون، انجینئرنگ زراعت ہوم اکنامکس اور سماجی سائنس وغیرہ میں طالبات کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے لیکن یہ اضافہ کل آبادی میں عورتوں کے تناسب کے لحاظ سے کسی بھی اہمیت کا حامل نہیں ہے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ حکومت کی جانب سے طالبات کی تعلیم کے لئے کوئی قابل ذکر سعی نہیں ہوئی۔

پاکستان میں آبادی کا نصف حصہ ملک کی پیداواری جدوجہد میں کسی حد تک بالواسطہ طریقے سے حصہ لے رہا ہے لیکن دنیا کے دوسرے ممالک میں جہاں عورتیں مردوں کے دوش بدوش ملک کی ترقی اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے جس شعوری انداز میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ممالک میں خواتین خانگی غلامی کی بندشوں سے آزاد ہو چکی ہیں اور اب باہمی عزت و احترام کے روشن خیال، ترقی پسند اصولوں پر کاربند ہیں۔ وہ مردوں سے مل جل کر باہمی کوششوں کے ذریعے اپنے ملک میں عوام کے ایک نئے اور تابناک مستقبل کی تعمیر کے لئے عملی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ ان ممالک میں صنعتی زراعتی و تجارتی ترقی میں عورتوں کا کردار کسی صورت میں بھی مردوں سے کم نہیں ہے،

طلبہ کے مسائل

نوآبادیاتی

معاشرے کے مسائل

سے مختلف نہیں

مختلف ممالک کے تجربات شاہد ہیں کہ ان ممالک میں خواتین کی تعلیم و تربیت کو خاص اہمیت دی گئی ہے لیکن ہمارے ملک میں اب بھی خواتین کو گھر کی چار دیواری میں محصور رکھا جاتا ہے جب تک عورتیں نئی دنیا کے نئے افکار و خیالات سے روشناس نہ ہوں گی تو ان کی گود میں پرورش پانے والی نسل بھی صدیوں پرانے خیالات و تصورات کی حامل ہو گی۔ خواتین کے بارے میں ہمارا موجودہ تصور جاگیردارانہ عہد کے خیالات و تصورات کا حصہ ہے تعلیم کے فروغ کے ساتھ جب تک جاگیردارانہ رشتوں کو فنا نہیں کر دیا جاتا اس وقت تک ملک و قوم کی فلاح و بہبود کا تصور عملی جامہ نہیں پہن سکے گا۔

مزید درسگاہیں

"تعلیمی ترقی کا جائزہ" حکومت کے جاری کردہ اعداد و شمار کا ایک شماریاتی تجزیہ ہے اس میں مصنف کی خود قائم کردہ رائے کو کوئی دخل نہیں بلکہ شماریاتی رسائل و جرائد کا مطالعہ ہی اس عنوان کا مواد بنا ہو جو سماج کے تضادات کے مادی حقائق کا کیا کیجئے جو کسی نہ کسی حد تک ہی صحیح عوام الناس کے سامنے جاگیردارانہ سرمایہ دارانہ مفادات کا تحفظ کرنے والی مختلف حکومتوں کے دعووں کی اصلیت کو ظاہر کر دیتے ہیں۔

اس حقیقت سے شاید ہی کوئی انکار کی جرات کر سکے کہ آبادی میں اضافہ کی شرح کے ساتھ ہی ساتھ لوگوں میں حصول تعلیم کی خواہش کا بھی اضافہ ہو رہا ہے غریب عوام الناس کی بڑی اکثریت اپنے بچوں کو تعلیم سے مرصّع دیکھنا چاہتی ہے۔ تعلیم کا حصول ایسی بھی بات نہیں کہ وہ قوم کے لئے زہر قاتل ہو۔ دنیا کے ہر حصے میں قومیں علم کی رفعتوں کو چھو لینے کی جدوجہد میں مصروف ہیں لیکن افسوس کہ ہمارے ملک کے "کالے انگریزوں" کو ابھی تک غلام قوم کے لئے انگریزی سامراج کے بنائے ہوئے اصول دل و جان سے زیادہ عزیز ہیں۔

مندرجہ بالا خیال کسی دانشور کی مبالغہ آرائی نہیں بلکہ ناقابل تردید حقیقت ہے۔ کسی بھی حکومت نے (گو کہ ہر ایک نے قوم ملک اور عوام کے مفادات کے ترجمان ہونے کا دعویٰ کیا) بھی ملک کی آبادی کا مکمل سروے کر کے تمام تشخص و قومی ضروریات زندگی کے مطالبے کا اندازہ نہیں لگایا تاکہ آنے والے دور کے امکانی مطالعہ کے تحت ملک کی معاشی سیاسی سماجی اور تعلیمی پالیسیاں مرتب کی جاتیں، ہر ایک نے تخیل کے گھوڑے دوڑائے اور صرف خواص کی فلاح و بہبود اور ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے مختلف نوع کی پالیسیاں وضع کر لیں۔

اس لمبی چوڑی تمہید کا مقصد دراصل یہ ہے کہ طلبا و طالبات کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا لیکن ان اضافوں کی بنیاد پر نئی درس گاہوں (جن میں ابتدائی درجوں سے لے کر اعلیٰ درجوں تک اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں شامل ہیں) کی تشکیل و تعمیر نہیں کی گئیں۔ آج ۲۳ سال کے بعد جبکہ بقول

عوامی جمہوریت ہی عوام کی خوش حالی اور پُر سکون زندگی کی ضامن ہے

حکومتی اداروں کے، ملک نے بڑی ترقی کی ہے۔ درس گاہوں پر طلبا کا دباؤ بڑھ گیا ہے۔ طالب علموں کی تعداد میں ہر سال تیزی سے اضافہ ہوا ہے لیکن ان کے لئے درس گاہوں کا بندوبست نہ ہو سکا جس کی وجہ سے بہت سے طالب علموں کو اگلے درجوں میں داخلہ نہ مل سکا اور اس طریقے سے قوم کے بہترین دماغ ضائع ہو گئے۔

درس گاہوں میں طالب علموں کو جانوروں کی طرح ٹھونسنا نہیں چاہیئے بلکہ اسکی جگہ نئے اداروں اور درس گاہوں کی تعمیر ہونی چاہیئے۔ اس سلسلے میں یہ ضروری نہیں کہ بلند و بالا پُر شکوہ اور عالی شان عمارتیں تعمیر ہوں بلکہ ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ درس گاہوں میں سادگی کا عنصر غالب ہونا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ہی اس میں طالب علموں کے لئے ہر قسم کی سہولتیں، جدید سامان سے مرصّع تجربہ گاہیں، عمدہ کتب خانے، کھیل کے میدان اور تمام تعلیمی دلچسپی کے سامان ہوں

روز گار کی ضمانت

بے روز گاری ملک میں موجود نیم نوآبادیاتی نظام کی بہت سی برکتوں میں سے ایک ہے، ملک کے تعلیم یافتہ افراد جنھوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصّہ حصول علم میں صرف کیا ہے سخت پریشانی اور مصائب کا شکار ہیں۔ ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ ثانوی درجے تک تعلیم حاصل کرنے والے تو کجا اس ملک کے گنے چنے گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ افراد بھی بے روزگاری کا شکار ہیں۔

قومی ضرورتوں سے بے بہرہ نظام تعلیم، ملک میں صنعت و حرفت اور ٹیکنالوجی کی برائے نام موجودگی اور اس میں بھی سرمایہ دارانہ ذہنیت نے ہی طلبا برادری کے لئے یہ مسئلہ کھڑا کیا ہے طالب علم برادری میں روز بروز بڑھتی ہوئی بے روزگاری سے تشویش پھیلی ہوئی ہے اور وہ فکری اور عملی انتشار کا شکار ہیں

اس سلسلے میں یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ فارغ التحصیل طلبا و طالبات کو روزگار فراہم کرے۔ حکومت کو طالب علم برادری کو یہ ضمانت دینی چاہیئے۔ کہ تعلیم کے اختتام پر حکومت روزگار کا فوری بندوبست کرے گی اور جب تک روزگاری کا بندوبست نہ ہو گا بیروزگاری الاؤنس دیا جائیگا

دیگر سہولتیں

۱۔ ہوسٹل کا مسئلہ :۔ پورے ملک میں طالب علم برادری سکونت کے مسئلہ سے بھی دوچار ہیں۔ طلباء کو لمبی مسافت طے کر کے درس گاہوں تک جانا پڑتا ہے جس کی وجہ سے طالب علموں کا قیمتی وقت بھی ضائع ہوتا ہے۔ ملک بھر میں ہوسٹلوں کی حالت افسوسناک حد تک خراب ہے۔ نئے ہوسٹلوں کی تعمیر ہر درسگاہ کے ساتھ ہونی ضروری ہے

(۲) طبی سہولتیں :۔ آج ملک کے طالب علم جہاں ہر قسم کی سہولتوں سے محروم ہیں وہاں طبی سہولتیں بھی ان کو حاصل نہیں ہیں۔ طلبا کے لئے محدود پیمانے پر موجودہ سہولتیں قطعی ناکافی اور غیر اطمینان بخش ہیں۔ تمام طالب علموں کو ہر سطح پر مفت طبی امداد مہیا کی جانی چاہیئے۔

(۳) وظائف کی کمی :۔ ضرورت مند طالب علموں کے لئے حکومت کی جانب سے وظائف کے لئے موجودہ رقم انتہائی ناکافی ہے بہت سے ذہین طالب علم صرف اقتصادی مشکلات کی وجہ سے مزید تعلیم حاصل نہیں کر پاتے، قابلیت کی بنیاد پر ضرورت مند طالب علموں کو وظائف دیئے جانے چاہیئے تاکہ مالی پریشانیاں ان کی تعلیم کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔

(۴) ٹرانسپورٹ کا مسئلہ :۔ یہ صحیح ہے کہ طالب علم برادری نے مسلسل جدوجہد اور کاوش کے ذریعے ٹرانسپورٹ کے مسائل کے حل کے لئے حکومت کو مجبور کیا ہے گو کہ حکومت

"کالے انگریزوں" کو

ابھی تک انگریزی

سامراج کے بنائے

ہوئے اصول عزیز ہیں

نے بسوں کے کرائے میں ۵۰ فیصدی کمی کر دی ہے لیکن بسوں کی قلت اور کمی سے طالب علموں کو نجات نہیں ملی۔ اس لئے کہ ٹرانسپورٹ کی سہولتیں نہ تو عوام کو حاصل ہیں اور نہ ہی طالبعلم برادری کے لئے خصوصی اقدامات کر کے ان کو اس مشکل اور پریشانی سے نجات دلایا گیا ہے۔

(۵) تفریحی مشاغل :۔ تفریحی مشاغل تعلیم کا ایک اہم جزو ہوتے ہیں۔ کوئی بھی شخص ایک صحت مند جسم اور صحت مند دماغ کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتا۔ تفریحی مشاغل کو پورے ملک میں شرمناک حد تک فقدان ہے۔ کھیل کے میدان، کھیل کی دوسری سہولتیں اور تفریحی سہولتیں طلبا کو مہیا کی جانی چاہیئے

اساتذہ کے مسائل

قوم و ملک کی ترقی میں اساتذہ کا براہ راست حصّہ ہوتا ہے۔ وہ نئی نسلوں کی ذہنی، فکری اور عملی تربیت اور رہنمائی کا اہم فریضہ انجام دیتے ہیں۔ ملک کی تعلیمی ترقی میں اساتذہ کی جدوجہد کو فراموش کر دینا قوم و ملک کے لئے باعث شرم ہے اساتذہ شب و روز محنت و مشقت سے علم و فن کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان تمام ملکی، ملّی و عوامی خدمات کے طفیل ان کو کیا حاصل ہوتا ہے؟ اقتصادی الجھن و پریشانیاں ذہنی خلفشار، بے چینی اور بہت ہی دکھ بھری زندگی۔

افراد خاندان کی مادی ضرورتوں اور سماجی تقاضوں کا پورا کرنا اساتذہ کے لئے پہاڑ کھودنے سے کم نہیں قلیل تنخواہ مہنگائی۔ گندے محلوں کی مضر صحت فضا اور علمی ماحول کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہ بے چارہ طالب علم برادری کی صحیح طور پر نگہداشت، تربیت اور رہنمائی کرنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا گیا۔

جب تک اساتذہ کی برادری پستی کے گہرے غار سے نکال کر خوشحالی کی روشن دنیا میں نہ لایا جائے گا اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ مکمل دلچسپی سے پڑھائے گا عبث ہے کسی بھی شخص سے مناسب اجرت اور مناسب معاوضہ دیئے بغیر خدمت نہیں لی جا سکتی

اس لئے اساتذہ کی فلاح و بہبود، تربیتی سہولتوں کی فراہمی، معیاری معاوضے اور نوکری کی ضمانت کی جانب حکومت کو توجہ دینی چاہیئے۔

نجات کی راہ

ان تمام مسائل پر بحث کرنے کے بعد یہ سوال ذہن میں جنم لیتا ہے کہ آخر طالب علم برادری اپنے سروں پر سے ان تکالیف اور دکھوں کی گٹھڑی کو اتار کر نجات کی راہ اختیار کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ ان سے نجات حاصل کرنے کی قدرت کی حامل ہے تو پھر یہ تکلیف دہ انتظار اور توقف کیوں؟ لیکن اس مقام پر آ کر معلوم ہوتا ہے کہ "نجات" کی ضرورت نہ صرف طالب علم برادری ہی کو ہے بلکہ ملک کی آبادی کی بڑی اور واضح اکثریت یعنی صنعتی مزدوروں، کھیت مزدوروں، غریب کسانوں، گھریلو ملازم، ڈرائیوروں، چرواہوں لکڑہاروں، مکینوں، دستکاروں، درمیانے درجے کے کسانوں

الفتح

مشرق کی عطر بیز ہواؤں کا دباؤ مغرب پر دن بدن بڑھ رہا ہے

شہروں میں بسنے والے غریبوں، چھوٹے دکانداروں، چھوٹے درجے کے ملازموں، استادوں، پروفیسروں اور درمیانے طبقے کے دوسرے محب وطن افراد، انقلابی دانشوروں اور انقلابی نوجوانوں وغیرہ کے سروں پر بھی نحوست کی یہی بلائیں سایہ ڈالے ہوئے ہیں۔ جن سے کہ طالب علم بھی دوچار ہیں۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ خوفناک بلائیں، جاگیرداریت، سرمایہ داریت اور نوکر شاہی کی شکل میں عوام الناس کو گھیرے ہوئے ہیں۔ سب کا دکھ ایک ہے اور سب کا علاج بھی ایک ہی ہے۔ یعنی ان بلاؤں سے نجات حاصل کی جائے۔ جاگیرداریت و سرمایہ داریت کے جوئے کو اتارا جائے۔ نیم جاگیردارانہ و نیم سرمایہ دارانہ معیشت، سیاست اور ثقافت کو تباہ کیا جائے اور اس کی جگہ ایک نئی طرز کی معیشت، سیاست اور ثقافت کی بنیاد ڈالی جائے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ پسماندہ پاکستان کی جگہ ایک نئے ترقی یافتہ پاکستان کی تعمیر کی جائے۔ جس میں کھیت و کھلیان کے مالک و مختار کسان طبقہ ہو، مل فیکٹری اور کارخانوں میں عوامی ملکیت کے تحت پیداوار کی جائے اور محنت کے جائز اور معقول معاوضے کو یقینی بنایا جائے، علاوہ ازیں درمیانے طبقے کے لوگوں (ادنیٰ بورژوا طبقے سے تعلق رکھنے والے) کو بھی موجودہ بے رحمانہ استحصال اور لوٹ کھسوٹ سے آزادی دلا کر خوشحال اور پُرسکون زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔

وہ کونسا نظام ہے جو ملک کے کروڑوں عوام الناس کے لئے خوشحالی اور پُرسکون زندگی کی ضمانت دے سکتا ہے؟ یہ نظام عوامی جمہوریت کا نیا نظام ہے۔ مزدور طبقہ کی قیادت میں تمام محنت کش طبقات کی مشترکہ حاکمیت، نیم نوآبادیاتی ممالک میں "عوامی جمہوریت" سوشلزم کے عالمگیر نظام کا پہلا مرحلہ ہے جس کی تکمیل کئے بغیر سوشلزم تک رسائی ممکن ہی نہیں۔

پس سب کی نجات کی راہ "عوامی جمہوریت کا نیا نظام" ہے۔ اس نظام کے حصول کی جدوجہد طالب علم برادری یکہ و تنہا رہ کر نہیں جاری رکھ سکتی۔ ان کی بیشتر طبقاتی خامیوں کے علاوہ عوام کی عظیم اکثریت سے الگ تھلگ رہ کر کوئی بھی جدوجہد کرنا طالب علم برادری کے لئے ناممکن ہے۔ خود کی نجات اور سماج کے تمام محنت کش کی نجات کے مشترکہ مقصد کے تحت طالب علم برادری کو عوام کے عظیم تر متحدہ محاذ میں شامل ہو کر ایک اکائی کا جز بننا ہوگا۔ عوام طاقت کا سرچشمہ اور ہر طرح کی تفسیر کی بنیاد ہیں۔ عوامی طاقت میں دریاؤں کا بہاؤ، سیلابوں کا زور، پہاڑوں کی شان و شوکت، سمندر کی سی گہرائی اور بجلی کی سی کوندہے

ماضی میں طالب علم برادری کی سامراج دشمن جدوجہد میں مختلف اوقات میں جو تھوڑی بہت معاشی کامیابیاں حاصل ہوئیں ہیں۔ وہ بھی اسی لئے کہ ملک کے محنت کش طبقات نے ان کی جائز اور منصفانہ جدوجہد کی زبردست حمایت کی اور اس سلسلے میں نوجوانوں کی بھرپور مدد کی ۱۹۵۳ء میں طالب علم برادری کی عظیم جدوجہد میں طالب علم شہیدوں کے ساتھ مزدور شہیدوں کی لاشیں، اس بات کا ثبوت ہیں کہ ۱۹۵۳ء تے طلبا نے جو کچھ مراعات حاصل کیں، اس میں مزدور طبقہ اور سماج کے دوسرے استحصال کے شکار طبقات کا خون بھی طالب علموں کے خون کے ساتھ ہی ساتھ بہا۔ یہی طلبا کی کامیابی کا راز ہے۔ اس کے بعد کے سالوں میں بھی ملک کے مزدوروں نے اپنے بیٹوں کی جدوجہد میں ان کی امداد و اعانت کی۔ ۱۹۶۸ء میں تو پوری قوم کے سر پر سے ایوبی آمریت کے ظالمانہ اقتدار کو ہٹانے کا سہرا ملک کے مزدور کسان طبقے پر ہے جس نے پیداوار کو روک کر ظالم استحصالیوں کے معاشی مفادات پر وہ کاری ضرب لگائی کہ یہ جدوجہد تاریخ انقلاب کا ایک سنہرا واقعہ بن گئی۔

ملک کی تاریخ میں پہلی مرتبہ سامراجی دلالوں، مقامی ظالموں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے بھی اس حقیقت کو عملی طور پر محسوس کیا۔ بلکہ دبے دبے لفظوں میں اعتراف کیا کہ تمام تر قوت کے مالک مزدور کسان طبقے اور دوسرے محنت کش انسان ہیں اگر وہ مل کر چلیں تو زمین کا سینہ دہل جائے اور قشر ارض پر زلزلہ کی سی کیفیت پیدا ہو جائے۔

کیا یہ کم طوفان تھا کہ دائیں بازو سے لے کر بائیں بازو تک، ہر سیاسی جماعت، تنظیم اور گروہ نے مزدوروں، کسانوں اور طلبا کے مسائل کو حل کرنے پر زور دیا اور کچھ نے تو وعدہ بھی کیا۔ گو کہ ان میں سے کچھ حلقوں نے کھلی ہوئی منافقت کی ہے جبکہ کچھ حلقے اور جماعتیں زبانی طور پر ابھی تک مزدور کسان موقف کو کسی نہ کسی حد تک پیش کر رہی ہیں۔

یہ انقلاب کے تھپیڑوں کا کرشمہ ہے۔ سوشلزم کی مقناطیسی قوت نے اپنے دائرہ اثر کا واضح اظہار کیا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں سوشلزم کے لئے ایک تڑپ موجزن ہے۔ ساری دنیا اشتراکی عہد میں تیزی سے داخل ہو رہی ہے۔ دنیا کے پانچ بر اعظم انقلابی طوفانوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ مشرق کی عطر بیز ہواؤں کا دباؤ مغرب پر دن بدن بڑھ رہا ہے۔ سامراجی طاقتیں مائل بہ زوال ہیں دنیا بھر کے عوام کی سامراج دشمن جنگ کے خلاف امریکہ اور روس کی کھلی ملی بھگت بھی عوام کے بڑھتے ہوئے طوفانی ریلوں کی روک سکنے کے قابل نہ رہی ہے۔

کراچی

ملیر کے دیہات۔ مقامی انتظامیہ اور شہریوں کے مسائل



مضمون نگار —— شبیر محمد بلوچ

ملیر سٹی اور گرد و نواح کے دیہات کئی صدی پرانی بستیوں میں سے ہیں جو اب تک وڈیرہ شاہی کی وجہ سے سنگین مسائل سے دوچار ہیں۔ ملیر سٹی کی قدیم آبادی بلوچ اور سندھی شہریوں پر مشتمل ہے جو آج بھی اپنے مہاجر بھائیوں سمیت زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم ہیں۔ ملیر نے کراچی کی ترقی و تعمیر میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ باغات و آب و ہوا کیلئے مشہور ان بستیوں کی ترقی کے لئے آج تک کچھ بھی نہیں ہوا۔ جب کہ کراچی کی ایسی دوسری بستیوں میں جدید دور کے تقاضوں کے مطابق کافی تبدیلیاں ہوچکی مگر ملیر کے ان دیہات میں صدیوں پرانے طرزِ تعمیر کے نمونوں کی جھونپڑیاں بے ترتیب تنگ و تاریک گلی کوچے اپنی اصلی حالت میں حکام کی بے حسی کا مذاق اڑانے کے لئے آج بھی جوں کے توں موجود ہیں۔

برصغیر کی تقسیم سے پیشتر ان دیہات کی آبادی پچیس ہزار کے قریب تھی۔ جو چھوٹے چھوٹے دیہات میں آباد تھے۔ اخوت و برادری کے لازوال رشتوں میں منسلک سادہ لوح انسانوں کی اس قدیم آبادی کے حقوق کو جس طرح پامال کیا گیا وہ ظلم کی المناک داستان ہے۔ تقسیم کے بعد آبادی میں بے حد اضافہ ہوا۔ نئی بستیاں آباد ہوگئیں مقامی آبادی نے اس موقع پر اپنے مہاجر بھائیوں کو خوش آمدید کہا۔ اشتراک و تعاون سے بے گھر لوگوں کی آبادکاری میں قابلِ قدر فرائض سرانجام دیئے۔ کئی ایکڑ سرکاری اراضی پر انسانوں کی بستیاں بسائی گئیں۔ مگر خود ایک انچ زمین پر بھی قبضہ نہیں کیا۔ مگر یاد رہے کہ آبادکاری کے لئے اشتراک و تعاون کا یہ سلسلہ صرف عام لوگوں نے شروع کیا اس میں یہاں کے نام نہاد جاہل لیڈروں کا کوئی دخل نہیں تھا۔

ملیر کا قدیم علاقہ جو لوکل بورڈ کے تحویل میں تھا کافی عرصہ تک مقامی ادارے کا انتظام چلانے کے باوجود اس ادارے نے کوئی قابلِ قدر کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ نوکر شاہی اور وڈیرہ شاہی کے اس دور میں عوام نے خوف و ہراس کے اس ماحول میں اپنے جائز مطالبات و حقوق کے لئے کوئی جدوجہد نہیں کی۔ لوکل بورڈ کے بعد سینیٹری کمیٹی اور پھر نوٹیفائیڈ کا نام دیکر اس کے سربراہوں کو عوام سے جبراً سائیکل ٹیکس، اونٹ گاڑی گدھا گاڑی ٹیکس اس قسم کے دوسرے غیر قانونی ٹیکس وصول کرنے کا ناجائز اختیار دیا گیا۔ اگر ان اداروں نے کوئی کارنامہ سرانجام دیا تو غریب خستہ حال مہاجر بھائی جو سر چھپانے کے لئے گھروں کی تلاش میں سرگرداں تھے ناجائز طور پر بھاری رقمیں لیکر ان کو زمین فراہم کی اور دیکھتے ہی دیکھتے خصوصاً ملیر سٹی کی آبادی جو پہلے سات آٹھ ہزار تھی پچیس ہزار تک پہنچ گئی ظاہر ہے کہ آبادی کے اس اچانک اضافے سے یہاں کے مسائل میں بھی بے حد اضافہ ہوا۔ جو پہلے ہی تشنۂ تکمیل تھے۔

۱۹۵۸ء کے انقلاب کے بعد نوٹیفائیڈ ایریا کو بنیادی جمہوریت کے نظام کے تحت یونین کونسل کی شکل دے دی گئی۔ اور اس جمہوریت کی تاریخ ہر پاکستانی پر واضح ہے۔ اس یونین کونسل کے ممبروں نے ان ضروری مسائل کو نظرانداز کرکے ایسے غیر ضروری منصوبوں پر عمل درآمد شروع کیا جس سے یہاں کے غریب محنت کش مزدوروں کے مسائل میں مزید اضافہ ہوا دراصل وہ منصوبے بی۔ڈی ممبروں کے معیار زندگی بلند کرنے کے منصوبے تھے۔ تاکہ مخصوص افراد ذاتی طور پر خوشحال ہوکر تختِ ایوبی کے محافظ بن سکیں۔ ایوب کے دس سالہ آمرانہ حکومت میں ملیر یونین اور ڈسٹرکٹ کونسل کراچی کے تحت لاکھوں روپے کے منصوبے تیار ہوئے اور انہیں عملی جامہ پہنایا گیا۔ اور آج آمریت کے پیداوار وہ جاہل اور ان پڑھ طبقہ جو خود کو لیڈروں میں شمار کرتے ہیں۔ اپنے ان قوم کش کارناموں کا فخریہ انداز میں تذکرہ کرتے ہیں۔ جب کہ ان کے آقا ایوب نے بھی اپنی دورِ حکومت کا نام نہاد دس سالہ جشنِ اصلاحات مناکر اس مفلس ملک کے غریب عوام کا تمسخر اڑایا تھا۔

وڈیرہ اور راجہ و زمیندار اور وہ نام نہاد لیڈر جو سالہا سال سے ان مقامی اداروں کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھ کر کرسیاں تقسیم کرتے رہے اور ان پر قابض ہوکر انہوں نے کسی باصلاحیت اور قوم کا درد رکھنے والے شخص کو خدمت کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ ملیر کی آبادی کو برباد اور مسائل سے دوچار کرنے کے یہ لوگ مجرم ہیں ان کی پچاس سالہ خدمات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے :-

(۱) ملیر کے علاقے میں ایک اعلیٰ درجہ کا شفاخانہ قائم کرنے کے بجائے کئی سال پیشتر قائم ہونے والی ایک چھوٹی ڈسپنسری کو بھی بند کروا کے کسی دوسرے نامعلوم مقام پر منتقل کرادیا۔ آج پچاس ہزار کی اس آبادی میں ایک بھی سرکاری شفاخانہ نہیں ہے اور غریب و مزدور پیشہ افراد آج بھی ڈاکٹروں کے لوٹ کھسوٹ کا شکار ہیں۔ ڈسٹرکٹ کونسل کے تحت کئی ہزار روپے کی لاگت سے ملیر سٹی میں مرکز سماجی بہبودِ اطفال و زچہ خانہ قائم ہوئے پانچ سال گذر گئے ہیں۔ مگر اب تک اس بلڈنگ کو اس مقصد کے لئے استعمال میں نہیں لایا جارہا ہے اس کے برعکس اس کے نصف حصے میں ادارہ خاندانی منصوبہ بندی چل رہا ہے۔

(۲) ملیر درسنہ چھنہ روڈ اور ملیر یونین کونسل کے دفتر کو اعلیٰ درجہ بنانے کے منصوبے پر لاکھوں روپے صرف ہوئے مگر اس علاقے میں ایک ہائی اسکول، گرلز اسکول فنی ادارہ اور کالج قائم نہ ہوسکا جس میں مزدوروں اور کسانوں کی اس بڑی اور قدیم آبادی کے رہنے والے باشندے اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے۔ شاید وہ اپنے انجام سے خوفزدہ تھے اگر یہاں کے غریب باشندے تعلیم یافتہ ہوگئے۔ تو ضرور ان کے وڈیرہ اور راجہ شاہی کے خلاف بغاوت کردیں گے۔

(۳) صحت و صفائی کے اصولوں کو یکسر نظرانداز کیا گیا۔ کوڑا کرکٹ اور گندے پانی کے نکاس کا انتظام نہ ہو سکا۔ نتیجے میں آئے دن وبائی امراض سے قیمتی جانیں ضائع ہو رہی ہیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ صحت افزا

الفتح

مقام کی اس آبادی کا بیشتر حصہ ٹی۔بی اور دوسرے بانی امراض میں مبتلا ہے۔

(۴) تقسیم کے بعد آنے والے مہاجروں کی مستقل آبادکاری کے لئے ہر جگہ کالونیاں بنائی گئیں اور وہاں کے باشندوں کے لئے چند بنیادی ضروریات بھی فراہم کی گئیں۔ مگر اس علاقہ کے مہاجر آبادیوں مسلم آباد، مسرت کالونی، مولارام کمپاؤنڈ۔ بادشاہ گوٹھ اور پائپ فیکٹری کے مکینوں کو نظرانداز کیا گیا اور یہ لوگ آج بھی بے سروسامانی کی حالت میں کربناک زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر ان کے لئے کالونی تعمیر نہ ہو سکے تو کم از کم ان کے اس جائز مطالبے کو تسلیم کیا جاتا کہ وہ جن حالات میں وہ اس وقت عارضی مکان تعمیر کرکے رہ رہے ہیں ان کو مستقل تعمیر کرنے کے لئے زمین کے مالکانہ حقوق دے دیئے جائیں۔ تاکہ وہ اپنے لئے مستقل مکان تعمیر کرکے سکون کی زندگی بسر کرے۔ مگر آئے دن سٹیلمنٹ کی جانب سے متروکہ زمینیں نیلام ہو رہی ہیں چونکہ متذکرہ آبادیاں بھی ایسی زمینوں پر ہیں لہذا ان کو بھی ہر وقت یہی خطرہ لاحق رہتا ہے کہ انہوں نے نامساعد حالات کے باوجود اپنے لئے جو مکان تعمیر کئے ہیں اگر ان کو پختہ اور انسانوں کے رہنے کے قابل بنایا تو کہیں کراچی کے دوسرے بدنصیب لوگوں کی طرح ان کو بھی دوسری جگہ منتقل کرنے کے احکامات صادر نہ ہو جائیں۔ محکمہ سٹیلمنٹ کی مقررہ شرح پر یہاں کی غریب آبادی زمینیں خریدنے سے معذور ہے۔ اگر حکام چاہتے تو کم از کم ان لوگوں کو مالکانہ حقوق دلا سکتے تھے۔ جب کہ رہائش کا مسئلہ ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔

(۵) کراچی شہر دگردو نواح کے علاقے آنکھیں چکاچوند کر دینے والی بجلی کی روشنی سے منور ہیں مگر اس قدیم اور بدنصیب آبادی پر اب تک تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ قرب وجوار کی کالونیوں تک بجلی کی سہولتیں میسر ہیں۔ الیکٹرک لائن ان آبادیوں کے قریب سے گذرتی ہے۔ مگر جہاں جہاں یہ بستیاں آجاتی ہیں نہ جانے کس جرم کے پاداش میں ان علاقوں میں لگے ہوئے کھمبے بجلی سے محروم ہیں۔ شائد غریبوں کو اس روشنی میں ان حکام کے سیاہ کارنامے نظر آتے لہذا ان کے لئے اندھیرے میں بھٹکنا مناسب سمجھا گیا۔

(۶) جہاں بڑے بڑے زمیندار ملیر میں موجود ہیں۔ وہاں چھوٹے کاشت کار بھی اپنے گذر اوقات کے لئے تھوڑی سی زمین رکھتے ہیں۔ یہاں محکمہ زراعت کا سیلز ڈپو ہے۔ مگر اس کی تمام تر سہولتیں بڑے زمینداروں کے لئے مخصوص ہیں۔ جن کو کیڑے مار دوائیں ٹریکٹر۔ اسپرے دوائی چھڑکنے والی مشینیں و دیگر زرعی آلات و معلومات ملتے ہیں۔ مگر غریب کاشت کاروں کا کوئی پرسان حال نہیں وہ اپنی حیثیت کے مطابق سبزی گھاس وغیرہ کاشت کرتے ہیں۔ مگر ان کی ساری محنت و دولت زمینداروں کی طرح مناسب زرعی سہولتیں، دوائیں و آلات میسر نہ ہونے کی وجہ سے برباد ہو جاتی ہے۔ نتیجتہً ان کو محنت اور مشقت کے بعد بھوک اور افلاس کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

(۷) تقسیم سے پیشتر ہر طرف کھلے میدان تھے۔ جہاں پر تفریح گاہیں اور کھیل کے میدان مخصوص کئے جا سکتے تھے۔ مگر حکام نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ اس کے برعکس یہاں کے مزدور اور طالب علم نوجوانوں نے سخت تکالیف اور نامساعد حالات کے باوجود اپنی صحت اور ورزش کے لئے کچھ کھیل کے میدان محفوظ کئے ہیں ہر شہری آبادی کے لئے کھیل کے میدان اہمیت رکھتے ہیں مگر چند مفاد پرست لوگ اب ان میدانوں پر قبضہ کرنے کے لئے متعلقہ حکام سے ساز باز کرکے ان میدانوں کو نیلام کے ذریعے خریدنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

(۸) مندرجہ بالا مسائل ایک طرف رہے مگر ایک نازک مسئلہ جو روز بروز تشویشناک صورت اختیار کر چکا ہے وہ یہ ہے کہ ایک صدی قبل قائم ہونے والے اس قبرستان میں اب مزید ایک قبر کی بھی گنجائش نہیں ملیر میں جہاں مزدور اور غریب آباد ہیں وہاں ایسے صاحب دولت حضرات بھی موجود ہیں جو قبرستان کے لئے مرحوم دلبود کی طرح جنہوں نے موجودہ قبرستان اپنی ذاتی زمین دے کر قائم کیا تھا۔ اپنی ذاتی زمین مخصوص کر سکتے تھے یا زمین خرید کر دے سکتے تھے۔ مگر انجام سے بے خبر ایسے لوگوں نے کبھی اس مسئلے پر توجہ نہیں دی۔ اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ وہ قبرستان سے ملحقہ سرکاری اراضی بھی دلا نہ سکے۔ جو بااثر لوگوں کے قبضے میں ہے۔ ان نام نہاد لیڈروں نے ایوب کے زوال کے ساتھ ساتھ ملیر کے غریب دکانداروں جو ملیر سٹی کے وسط میں مدتوں سے دکانیں بنا کر اپنا گذر بسر کرتے تھے۔ اور ملیر کے عوام کے لئے روزمرہ کی اشیاء فراہم کرتے تھے۔ ایک سنگین انتقام لیا کہ مارشل لاء حکام کی طرف سے حادثات کی روک تھام کے لئے قومی شاہراہ سے بالکل قریب چند دکانوں کو ہٹانے کا حکم ملا۔ اور انہوں نے اس حکم کا ناجائز سہارا لیکر ملیر کے اس بارونق اور قدیم بازار کو برباد و اجاڑ کر دوسری اسی جگہ پر منتقل کر دیا جہاں لوگوں کو قومی شاہراہ اور ریلوے لائن عبور کرکے روزمرہ کی اشیاء خریدنے کے لئے جانا پڑتا ہے۔ جو موت کو دعوت دینے کے مترادف اور پھر جب ان دکانداروں نے جو سینکڑوں کی تعداد میں تھے۔ اپنی دکانیں اس نئی جگہ پر تعمیر کرلیں تو بذریعہ نوٹس اطلاع ملی گئی کہ وہ کسی کی ذاتی زمین پر قابض ہیں لہذا اس کا کرایہ ادا کریں۔ انجام یہ ہوا کہ ۹۰ فیصد دکاندار اپنی دکانیں بند کرکے دوسرے دور دراز علاقوں میں کاروبار کرنے پر مجبور ہو گئے اور اس طرح ملیر کے بارونق اور قدیم بازار کو چند مفاد پرست لوگوں نے اپنے وقار کا مسئلہ بنا کر تباہ و برباد کر دیا جس سے سینکڑوں دکا تباہ و برباد کر دیا جس سے سینکڑوں تباہی و مفلسی کا شکار ہو گئے۔

انہی میں سے چند مفاد پرست اور قوم کش افراد نے مقامی مہاجرین کے درمیان نفرت پیدا کرنے اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لئے حکام سے ساز باز کرکے ملیر یونین کونسل کو جو دیہات پر مشتمل ہے۔ یونین کمیٹی کا شہری درجہ دیکر رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ اور اس دیہاتی ادارے کو ڈرگ ملیر بلدیہ میں شامل کرایا مگر اس بلدیہ کو جلد اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ حکام ان دیہات اور بے ترتیب بستیوں میں اپنے منصوبوں پر عمل درآمد کرانے اور انتظام چلانے میں ناکام ہو گئے اور انہوں نے اس یونین کمیٹی کو لانڈھی کورنگی بلدیہ میں شامل کرا دیا۔ یہاں عوام کا تاثر یہ ہے کہ موجودہ بلدیہ کو بھی جلد یا بدیر اپنی غلطی کا احساس ہو جائیگا کہ بلدیہ کے قوانین اور اصولوں پر اس علاقے میں عملدرآمد کرانا بہت ہی مشکل ہے۔ بلکہ یہاں غریب باشندوں کیلئے مزید مسائل پیدا ہونے کا قوی امکان ہے۔ لہذا یہاں کے عوام کا مطالبہ ہے کہ ملیر و لانڈھی یونین کونسل کی سابقہ حیثیت کرکے اس کو ڈسٹرکٹ کی تحویل میں دیا جائے۔ تاکہ یہاں کی آبادی کی نوعیت کو مدنظر رکھ کر منصوبے تیار کرکے صدی پرانی یہ آبادی دیہاتی طرز تعمیر پر ترقی کر سکے۔

نیپ بھاشانی نے
برطانیہ کی مداخلت کا
راز تلاش کر لیا

نمائندہ الفتح

نیشنل عوامی پارٹی (بھاشانی گروپ) مغربی پاکستان کی سیاسی سرگرمیاں گذشتہ کئی ماہ سے سرد پڑ گئی تھیں عام تاثر یہ تھا کہ اس کے کارکنوں نے سی۔ آر۔ اسلم کی پاکستان سوشلسٹ پارٹی یا فنسو رگردیزی کی عوامی رابطہ کمیٹی میں شمولیت کر لی ہے۔ لیکن حال ہی میں نیپ (بھاشانی) نے اپنی سرگرمیاں دوبارہ شروع کر دی

ہیں۔ اس سلسلے میں ۹ نومبر کو لیاقت آباد میں کارکنوں کا ایک اجتماع ہوا جس میں موجودہ صورت حال پر غور و خوض کیا گیا۔ اور مشرقی پاکستان کے مسئلے پر یہ موقف اختیار کیا۔

پاکستان کے گماشتہ اجارہ دار سرمایہ دار اور بڑے جاگیرداروں کے گٹھ جوڑ نیز مشرقی پاکستان کے ابھرتے ہوئے سرمایہ داروں کے درمیان علاقائی استحصال کی حد و د بندیوں کے اختلافات نے موجودہ صورت حال پیدا کی چنانچہ معاشی استحصال کی اس خانگی جنگ سے بھارتی اجارہ دار سرمایہ دار اور توسیع پسند کلکتہ کے جوٹ ملوں میں برطانوی سرمایہ اور حصہ دار بین الاقوامی یہودی سرمایہ کی مرہون منت برطانوی جوٹ ملز ایسوسی ایشن ملکی سرمایہ داروں کے پیدا کردہ حالات سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی جد و جہد میں مصروف ہیں تاکہ مشرقی پاکستان کی خام جوٹ کی منڈی پر قبضہ ہوسکے۔ چنانچہ ان حقائق کی روشنی میں یہ اجتماع بھارتی توسیع پسندوں برطانوی سامراج بین الاقوامی یہودی سرمایہ دار اور پاکستان سرمایہ داروں کی علاقائی استحصال کی جنگ کو موجودہ صورت حال کا بانی سمجھتا ہے اور اس بات کا فیصلہ کرتا ہے کہ ان تمام قوتوں کا جو پاکستان یا پاکستان کے کسی علاقہ پر قابض ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں آخر دم دم تک مقابلہ کیا جائے گا نیز یہ اجتماع بھارتی توسیع پسندوں اور سامراجی طاقتوں کو خبردار کرتا ہے کہ پاکستان کے عوام ان کے عزائم خاک میں ملادیں گے۔ نیز حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ موجودہ بحران کا ملکی حدود میں رہ کر حل تلاش کیا جائے۔ یہ اجتماع اس بات پر بھی متفق ہے کہ موجودہ بحران کا مکمل خاتمہ محض سائنٹفک سوشلسٹ نظام معیشت کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔

کنری پاک

کنری ٹاؤن کمیٹی — ایک پہلو یہ بھی ہے تصویر کا

جلیل الرحمٰن اختر

کنری ۱۹۵۹ء سے قبل ایک چھوٹا قصبہ تھا اُس وقت یہاں کی آبادی ساڑھے پانچ ہزار افراد پر مشتمل تھی اور یہاں نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی قائم تھی۔ اس کمیٹی کے پانچ ممبر تھے جو شہری انتظامیہ" کے فرائض سرانجام دیتے تھے ۱۹۵۹ء کے شروع میں اس کمیٹی نے کنری میں ایک عام انتخاب کروایا اور نئے ممبران کا چناؤ کیا گیا جس کے بعد یہاں ٹاؤن کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ ٹاؤن کمیٹی کے قیام سے قبل شہر میں رات کو روشنی کے لئے لیمپ جلائے جاتے تھے جن کی تعداد تقریباً ۴۰ تھی لیکن ٹاؤن کمیٹی کنری نے شہر میں بہتر روشنی کے لئے لیمپوں کی جگہ پیٹرومیکس کا انتظام کیا اور باقاعدہ اُن کا سالانہ ٹھیکہ دیا جانے لگا۔ اندھیری راتوں میں شہریوں کی سہولت کے لئے یہ قدم قابل تعریف ہے۔ اس وقت شہر میں جلائے جانیوالے گیسوں کی تعداد ساٹھ سے زائد ہے۔ روشنی کے لئے مجموعی طور پر پانچ لاکھ روپے خرچ کئے جاچکے ہیں۔ گذشتہ بارہ سال سے شہر میں روشنی کا خرچ ٹاؤن کمیٹی برداشت کر رہی ہے۔ ۱۹۶۰ء سے قبل ضلع تھرپارکر میں سوائے میرپورخاص شہر کے کسی بھی دوسرے شہر میں بجلی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ لیکن اس وقت عمرکوٹ، جھڈو، نوکوٹ ٹنڈو جان محمد، ڈگری اور جمیس آباد میں بجلی آچکی ہے۔ لیکن کنری کی یہ بدقسمتی ہے کہ ابھی تک یہ شہر بجلی کی سہولت سے محروم ہے۔

کنری کی موجودہ آبادی ۴۰۰۰۰ ہزار کے لگ بھگ ہے یہاں کپاس کے ۱۲ کارخانے، کئی تعلیمی ادارے اور سرخ مرچ کی بہت بڑی منڈی ہے یہاں اندرون ملک کے علاوہ بیرون ملک کے بھی تاجر آکر سرخ مرچ کی خریداری کرتے ہیں۔ ترقی کے لحاظ سے یہ شہر ضلع کا اول نمبر شہر ہے۔ اسوقت ٹاؤن کمیٹی کنری کی سالانہ آمدنی سات لاکھ کے قریب ہے یہ سندھ کی سب سے بڑی ٹاؤن کمیٹی ہے۔ دفتر ٹاؤن کمیٹی سے منسلک ایک شاندار لائبریری بھی کئی سال سے قائم ہے۔ کتب خانوں کے بغیر علمی ترقی ممکن نہیں ہے لیکن اس لائبریری میں علم و ادب پر مشتمل کتب نہیں ہیں بلکہ یہ کتب خانہ حضرت مولانا مودودی صاحب کی تصنیف شدہ کتب اور ناولوں کا ایک ذخیرہ ہے۔ یہاں ایسی کتاب کا ملنا بہت مشکل ہے جو تعلیم اور سائنس کی معلومات کے متعلق رہنمائی کرے جو طالب علموں کے لئے فائدہ مند ہو ہمارے سابقہ اسلام پسند چیئرمین صاحب جو جماعت اسلامی کے رکن ہیں۔ انہوں نے اس لائبریری کو مولانا مودودی صاحب کی کتب سے تو بھر دیا ہے لیکن یہ لائبریری علمی۔ فنی اور سائنسی کتب سے محروم ہے۔

کنری میں ایک مارکیٹ کمیٹی اپریل ۱۹۶۷ء میں قائم کی گئی تھی۔ جسکا دفتر شہر کے وسط میں موجود ہے۔ لیکن دفتر کا کوئی بورڈ وغیرہ موجود نہیں ہے۔ اس مارکیٹ کمیٹی کی حدود تقریباً ۴۰۰ مربع میل پر مشتمل ہیں۔ اسوقت کمیٹی کے لائسنس ہولڈروں کی تعداد تقریباً ۳۵۰ ہے۔ یہ تمام دکاندار سالانہ اپنے لائسنس مارکیٹ کمیٹی سے نئے کرواتے رہتے ہیں۔ مارکیٹ کمیٹی کی سالانہ آمدنی ۲۰۰۰۰۰ روپیہ کے لگ بھگ ہے گذشتہ چار سال میں مارکیٹ کمیٹی نے زمینداروں اور تاجروں کی سہولت کے لئے کوئی کام نہیں کیا ہے۔

منڈی میں صرف ایک پینے کے پانی کی ٹینکی بنوائی گئی ہے جس پر لاگت ۳۳۰۰ سو بتائی جاتی ہے اور یہ بھی علم ہوا ہے کہ سیزن کے وقت کبھی کبھار مرچ منڈی میں پانی کا چھڑکاؤ بھی کیا جاتا ہے۔ منڈی میں اور کوئی سہولت نہیں ہے۔ زمینداروں اور تاجروں کی سہولت کے لئے کوئی گودام نہیں ہے۔ جہاں بوقت ضرورت وہ اپنا خشک مال رکھ کر بارش وغیرہ سے محفوظ رکھ سکیں۔ گذشتہ برس اچانک بارش آجانے کیوجہ سے تقریباً ۲۰۰۰۰ روپیہ کی مالیت کی خشک مرچ پانی میں سڑ کر ختم ہوگئی تھی۔ اور زمینداروں کو اتنی کثیر رقم کا خسارہ اٹھانا پڑا تھا۔ یہ منڈی ٹاؤن کمیٹی کنری نے تعمیر کی ہے اور پھر دکاندار دکان کا کرایہ ادا کرتا ہے۔ منڈی میں کہیں سایہ وغیرہ کا بھی کوئی انتظام نہیں ہے۔ سیزن کے وقت منڈی کے کھلے میدان میں لاکھوں بوریاں باہر پڑی رہتی ہیں۔ یہاں روزانہ دو اڑھائی ہزار بوری سرخ مرچ کی آمدنی ہوتی ہے۔ چار سال کے دوران مارکیٹ کمیٹی نے کسی زرعی نمائش کا بھی کوئی انتظام نہیں کیا ہے۔ کمیٹی کے ممبران کی کل تعداد ۵۷ ہے جس میں پانچ زمیندار اور پانچ دکاندار شامل ہیں لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان حضرات نے اپنی میٹنگوں میں اپنی ہی بھلائی اور ترقی کے لئے کیا کچھ کیا ہے۔ مارکیٹ کمیٹی کے ملازموں کی تعداد پانچ ہے جو ٹیکس کی وصولی وغیرہ اور دفتر کا کام کرتے ہیں۔

تھرپارکر مغربی پاکستان کا سب سے بڑا ضلع ہے۔ یہ ضلع نو تحصیلوں پر مشتمل ہے اس کی آبادی تقریباً دس ساٹھ لاکھ ہے۔ ضلع کا آدھا حصہ زرخیز زمین ہے اور باقی ریگستانی علاقہ ہے۔ آدھے علاقے کو پانی کی سہولت حاصل ہے۔ باقی آدھا حصہ صرف موسمی بارش کے دار و مدار پر ہے۔ جس میں تحصیل مٹھی۔ ڈیپلو، ننگرپارکر اور چھاچھرو کا علاقہ شامل ہے۔ اسے تھر کا علاقہ کہا جاتا ہے۔ بارش نہ ہونے کی صورت میں تھر کا علاقہ جنگل کی مانند ہے۔ اس

وقت تھر میں غربت اور بھوک حد سے بڑھ چکی ہے فصلوں کا دارومدار موسمی بارش پر ہوتا ہے۔ تھر میں جس سال بارش نہیں ہوتی یا بہت کم ہوتی ہے۔ اُس سال تھری لوگوں کے قافلے کے قافلے سندھ کی آباد زمین تحصیل عمرکوٹ، ڈگری، سمارو، جھیس آباد اور میرپور خاص کیطرف چلے آتے ہیں۔ تحصیل عمرکوٹ جہاں شہر آباد ہے۔ یہ جگہ شہنشاہ اکبر کی جائے پیدائش ہے۔ لیکن یہ شہر ریلوے لائن کی سہولت سے محروم ہے۔ تھر کے لوگوں کی بسر اوقات مال مویشی پر ہے۔ جس میں بھیڑ۔ بکری گائے اور اونٹ شامل ہیں۔ اونٹ سے تھر میں سواری کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ اور باربرداری کا کام بھی لیتے ہیں ریگستانی علاقہ ہونے کی وجہ سے اونٹ ادھر بہت کارآمد جانور ہے۔

تھر پارکر کا ضلع ترقی کے لحاظ سے بہت پیچھے ہے۔ ضلع کے بڑے شہر کنری، ننگر پارکر، ڈسمارو اور ڈھورو نارو ابھی تک بجلی اور پانی کی سہولت سے محروم ہیں۔ ضلع کے اکثر راستے کچے اور گندے ہیں۔ پورے ضلع میں جو پاکستان کا سب سے بڑا ضلع ہے۔ صرف ایک شوگر مل ہے۔ جو اس ضلع کے علاوہ ضلع سانگھڑ کا گنا بھی اٹھاتی ہے۔ جس کی وجہ سے چھوٹے زمینداروں کو پریشانی ہوتی ہے۔ اور مالی نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ اس ضلع میں پانی کی بہت قلت ہے۔ بڑی اور چھوٹی نہروں پر پانی کی وارہ بندی ہے۔ آبادکار فصل کو پورا پانی نہ ملنے کی وجہ سے پریشان ہیں اور کاشت میں بھی کمی آگئی ہے۔ اگر پانی کی یہی حالت رہی تو تھر پارکر میں قحط کا اندیشہ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ تھر کے علاقہ میں حکومت، سیاسی لیڈران سماجی کارکن اور سرمایہ دار پوری دلچسپی نہیں لے رہے ہیں ورنہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ گذشتہ ۲۴ سال کے عرصہ میں ایک چھوٹے سے ریگستان کو آباد نہ کر سکتے۔ تھر میں آمدورفت کی کوئی سہولت نہیں ہے تعلیم کا معیار بہت کم ہے۔ پورے تھر کے علاقہ میں کوئی کالج نہیں ہے۔ سارا تھر کا علاقہ بجلی اور پانی کی سہولتوں سے محروم ہے۔ آبپاشی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ لوگ کنوؤں کا پانی پیتے ہیں اور وہیں سے ہی مال مویشی کی گذر اوقات کرتے ہیں۔ پورا سال تھریوں کی آنکھیں آسمان پر لگی رہتی ہیں کہ کب بارش ہوتی ہے۔ تھر بارش کے رحم و کرم پر ہے کئی مرتبہ حکومت کی طرف سے تھر کو قحط زدہ علاقہ قرار دیا جا چکا ہے۔ لیکن عملی طور پر کوئی ایسا کام نہیں ہوتا ہے جس سے وہاں کے لوگوں کو آرام اور فائدہ میسّر ہو۔

سیالکوٹ

امدادِ باہمی کے قرضے اور لوٹ کھسوٹ

معلوم ہوا ہے کہ کوآپریٹو بنک سیالکوٹ اور شکرگڑھ سے جاری قرضے لینے والوں سے رقوم کی وصولی میں دانستہ تاخیر برتی جا رہی ہے اور بلا جواز ہزاروں روپے سود کی معافی دے کر امداد باہمی کے اداروں کی مالی ساکھ اور اقتصادی حالات کو خراب کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں اس بات کا انکشاف سنٹرل کوآپریٹو بنک سیالکوٹ اور شکرگڑھ برانچ کے آنریری سیکرٹریوں چوہدری صفدر ایڈوکیٹ اور چوہدری مختار احمد نے ایک مشترکہ بیان میں کیا۔ انہوں نے اس ضمن میں چند واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے کہ اکثر و بیشتر مقروض پارٹیوں کو اسسٹنٹ رجسٹرار کوآپریٹو سوسائٹیز مسٹر گلزار احمد پراچہ نے متعلقہ پارٹی یا بنک کے ڈائریکٹروں سے سازباز کر کے بلا جواز ہزاروں روپے سود کی معافی دیدی۔ شکرگڑھ کے ایک آئل ڈیلر چوہدری محمود احمد نے سات یا آٹھ سال قبل بنک سے ایک لاکھ دس ہزار روپیہ قرض لیا تھا جس کی وصولی کے لئے بنک کی انتظامیہ نے اسسٹنٹ رجسٹرار سے ضروری کارروائی کرنے کے لئے کہا معلوم ہوا ہے کہ آئل ڈیلر چوہدری محمود احمد کو نہ صرف بلا جواز ۳۵ ہزار روپے سود کی معافی دے دیدی گئی بلکہ اصل زر بھی آئندہ چھ سال میں بالاقساط ادا کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سود کی معافی کے سلسلے میں بنک کی انتظامیہ کی رضامندی غلط طور پر ظاہر کی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسسٹنٹ رجسٹرار نے بنک کی انتظامیہ سے مشورہ کئے بغیر فیصلہ کر دیا۔ جب بنک کے آنریری سکریٹری چوہدری محمد صفدر نے اسسٹنٹ رجسٹرار سے استفسار کیا تو انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا گیا کہ وہ فیصلے میں دوبارہ ترمیم کر دیں گے۔

اس کے علاوہ بنک کے ایک رکن رانا محمد شریف کے چچا نہر دین کو سولہ ہزار روپے کافی عرصہ قبل قرض دیئے گئے جس کی ادائیگی ابھی تک نہیں ہو سکی ہے اسسٹنٹ رجسٹرار نے اس رقم کا بھی تمام سود بلاوجہ معاف کر دیا

اسی طرح گرین ٹریڈرز کے مالک چوہدری شہزاد غنی نے طویل عرصے سے تقریباً تین لاکھ روپے بنک سے قرض لئے ہوئے ہیں۔ جن کی وصولی کے لئے ثالثی فیصلہ ہو چکا ہے لیکن کوآپریٹو سوسائٹیز کے مقامی حکام نے ابھی تک کوئی تک کوئی وصولی نہیں کی جس سے یہ اندیشہ ہو گیا ہے کہ مبادا اس ثالثی فیصلے کو زائد المیعاد قرار دے کر بنک کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔

آنریری سیکرٹریوں نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ اگر محکمہ کے اعلیٰ حکام نے فوری طور پر تحقیقات نہ کرائی تو مالی امداد کے یہ ادارے غلط بخشیوں کی وجہ سے دم توڑ دیں گے۔

اس ہفتہ کی اہم خبریں

حملہ کی صورت میں چین پاکستان کو امداد دیگا

پیکنگ ۷ ۔ نومبر ۔ پاکستان پر اگر کوئی حملہ ہوا تو چین پاکستان کی بھرپور امداد کرے گا ۔ یہ بات چین کے قائمقام وزیر خارجہ مسٹر چی پنگ فی نے پاکستانی وفد کے اعزاز میں دی گئی ایک ضیافت میں کہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ بھارت ڈھٹائی کے ساتھ پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر رہا ہے چین داخلی معاملات میں بیرونی مداخلت کے خلاف ہے پاکستان کے داخلی معاملات خود وہاں کے عوام حل کریں گے ۔ جوابی تقریر میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے چین کا شکریہ ادا کیا ۔ اور کہا کہ اگر بھارت اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آیا تو ہم بھارتی توپوں کا رخ موڑ دیں گے اور جارحیت کا منہ توڑ جواب دیں گے ۔

آپ کا آئین بہتر ہی ہو گا —

لاہور ۷ ، نومبر ۔ قائمقام امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد نے کہا کہ صدر یحییٰ خان جو آئین نافذ کرنے والے ہیں وہ ہر لحاظ سے بہتر ہوگا ۔ انہوں نے کہا کہ ان کی جماعت ملک کی سالمیت کی خاطر پیپلز پارٹی کے ساتھ بھی اتحاد و تعاون سے گریز نہیں کرے گی ۔ اگر پاکستان میں سوشلزم نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تو عوام ڈٹ کر مقابلہ کریں گے

بھٹو بہتر نتائج کے ساتھ واپس آئیں گے ۔

کراچی ۷ ، نومبر ۔ پاکستان مسلم لیگ کے سربراہ خان عبدالقیوم خان نے کہا کہ عوامی جمہوریہ چین کا دورہ کرنے کے لئے پاکستانی وفد بھیجنے اور اس کی قیادت پاکستان پیپلز پارٹی کے سربراہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے سپرد کرنے کے بارے میں صدر یحییٰ خان کا فیصلہ بالکل صحیح ہے مسٹر بھٹو بہتر نتائج لے کر واپس آئیں گے ۔

چین سے واپسی پر مسٹر بھٹو کا بیان

راولپنڈی ۹ ، نومبر ۔ چین سے واپسی کے فوراً بعد بھٹو نے ایوان صدر میں یحییٰ سے ملاقات کی اور اس کے بعد اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے عوام ہر ممکن طریقے سے اپنی علاقائی سالمیت کا تحفظ کریں گے ۔ موجودہ صورت حال میں بڑی طاقتوں کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے ہمیں صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے ۔ انہوں نے کہا کہ مشرقی پاکستان میں محب وطن اور ترقی پسند طاقتوں کے ختم ہونے کے خطرہ کو رفع کرنے کے لئے صدر مملکت کو اہم اقدامات کرنے ہوں گے ، تاکہ بے تحاشہ پکڑ دھکڑ کا سلسلہ ختم ہو سکے ۔

قومی اسمبلی سے منظوری کے بعد آئین نافذ کیا جائے

راولپنڈی ۹ ، نومبر ۔ جمعیت العلمائے اسلام ہزاروی گروپ کے جنرل سیکرٹری مفتی محمود نے مطالبہ کیا کہ صدر کی جانب سے ۲۰ دسمبر کو پیش کئے جانے والے آئین کو قومی اسمبلی کی منظوری کے بعد ملک میں نافذ کیا جائے اگر ۲۰ دسمبر ہی سے آئین نافذ کر دیا گیا تو ایسا اقدام قومی اسمبلی کے منتخب ارکان کے حقوق چھیننے کے مترادف ہوگا انہوں نے اسمبلیوں کے انتخابات میں صرف مسلمانوں کو حصہ لینا ضروری قرار دیا اور کہا کہ اقلیتوں کو انتخابات میں حصہ لینے و ووٹ دینے کا حق نہ دیا جائے ۔

ممتاز ڈرامہ نگار کا انتقال ہو گیا

کراچی ۹ ، نومبر ۔ برصغیر کے ممتاز ڈرامہ نویس خواجہ معین الدین کا آج شام دماغ کی شریان پھٹ جانے کی وجہ سے انتقال ہو گیا ۔ ان کی عمر ۵۴ سال کی تھی انہوں نے زوال حیدر آباد لال قلعہ سے لالو کھیت تک ، تعلیم بالغان مرزا غالب بندر روڈ پر اور وادی کشمیر جیسے شہرہ آفاق ڈرامے تخلیق کئے تھے ۔

اسلحہ کی فراہمی رد کر دی گئی

پیرس ۹ ، نومبر ۔ بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے آج یہاں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ فرانسیسی لیڈروں سے میری بات چیت کے دوران مجھے یاد دلایا گیا ہے کہ پاکستان کو فرانس کی جانب سے اسلحہ کی فراہمی روک دی گئی ہے میں یہ دورہ اس لئے کر رہی ہوں تاکہ ان ملکوں کے سامنے صحیح صورتحال کی وضاحت ہو جائے ۔

چین کا وفد نیویارک پہنچ گیا

کراچی ۹ ، نومبر ۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شرکت اور عالمی ادارے میں چین کی نشست سنبھالنے کے لئے عوامی جمہوریہ چین کا پہلا وفد پیکنگ سے نیویارک جاتے ہوئے آج رات کراچی سے گذرا وفد کے قائد نائب وزیر خارجہ چیاؤ کوان ہوا ہیں اس میں پولٹ بیورو کے چار ارکان سمیت ۲۰ ارکان ہیں ۔

مولانا مودودی اتحاد کا فارمولا تیار کریں گے

لاہور ۹ ۔ نومبر ۔ جمہوری پارٹی کے صدر مسٹر نور الامین نے مولانا مودودی سے ۹۰ منٹ تک ملاقات کی اس دوران انہوں نے مولانا مودودی سے ایسے فارمولے کی تفصیلات تیار کرنے کو کہا جس کی بنیاد پر دائیں بازو کی تمام سیاسی جماعتوں کے درمیان بڑے پیمانے پر اتحاد ممکن ہو سکے ۔

مسٹر بھٹو قاتلانہ حملہ

لاہور ۔ ۱۱ ، نومبر آج دوپہر اور ڈھائی بجے کے درمیان گلبرگ میں چند شر پسندوں نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کا گھیراؤ کر لیا ، مخالفانہ نعرے لگائے اور پستول سے گولیاں چلائی گئیں ۔ لیکن خوش قسمتی سے مسٹر بھٹو بال بال بچ گئے ڈاکٹر مبشر حسن نے اس واقعہ کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ مسلح افراد جماعت اسلامی سے تعلق رکھتے تھے

یوم حسن ناصر منایا گیا

کراچی : ۔ ۱۳ ، نومبر ۔ آج یہاں طلبا اور مزدور انجمنوں کی طرف سے یوم حسن ناصر منایا گیا ۔ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی طرف سے خالقدینا ہال میں زین الدین خان کی صدارت میں ایک بڑا جلسہ ہوا جس سے مزدور رہنما عثمان بلوچ عزیز الحسن پیپلز پارٹی کے رہنما ڈاکٹر شمیم زین الدین معراج محمد خان اور امداد حسین شاہ نے خطاب کیا ۔ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی طرف سے زاہد حسین اور شہریار مرزا کے علاوہ جناب نقاش کاظمی نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا ۔

کراچی میں بھٹو کی آمد اور شاندار استقبال

کراچی ۱۲ ، نومبر ۔ چیئرمین مسٹر آج جب کراچی پہنچے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا ۔

سال بھر بچت - سال بھر منافع



منافع بھی زیادہ - انکم ٹیکس بھی معاف

ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ



سب سے کم پریمیم - سب سے زیادہ بونس

پوسٹل لائف انشورنس

قومی بچت کی اسکیمیں



منافع زیادہ - سہولت بے اندازہ

پوسٹ آفس سیونگ بینک



پانچ روپے اور دس روپے والے

انعامی بانڈ

بچت کی بچت - انعام کا انعام

سب کیلئے بچت - سب کیلئے منافع



جاری کردہ - سنٹرل ڈائریکٹریٹ آف نیشنل سیونگز - اسلام آباد

Spotlit



قارئین کہتے ہیں

الفتح میں بچوں اور نوجوانوں کا صفحہ شروع کیا جائے

اس ہفتے کا شمارہ ملا۔ ٹائیٹل خوب ہے اور الفتح کی ترجمانی بھی کرتا ہے گذشتہ ہفتے کا ٹائیٹل بہتر چھپا تھا۔ اس شمارے میں "قارئین کہتے ہیں" کے صفحے پر بچوں کا مطالبہ پڑھا میں خود بھی کئی دنوں سے اس پر سوچ رہا تھا۔ میری رائے یہ تھی کہ آپ ۴ صفحے نوجوانوں اور بچوں کے لئے مخصوص کرلیں ۲ صفحوں پر شہر میں نوجوانوں کی سرگرمیوں پر مشتمل تصاویر اور تنقید و تعریف کے ساتھ خبریں شامل ہوں اور ۲ صفحوں پر بچوں کے لئے اسے مضامین ہوں ایسے جن کے ذریعے ان کے معصوم ذہنوں کو ملک کی خدمت اور سماجی و معاشرتی برائیوں کے خلاف ابھارا جاسکے۔ اس کے علاوہ دیگر دلچسپی کی چیزیں وقتاً فوقتاً شامل کرلی جائیں نوجوانوں اور بچوں کے صفحات ترتیب دینے کے لئے میری خدمات بالکل مفت ہو سکتی ہیں اگر آپ موقع دیں تو؟ اس کے ساتھ ساتھ ایک الفتح کلب بھی قائم کر دیجئے تاکہ ضرورت پڑنے پر نوجوانوں اور بچوں کی ایک تعداد آپ کو فوری طور پر میسر آجائے امید ہے کہ آپ ان تجاویز سے اتفاق کرتے ہوئے ہمیں خدمت کا موقع دیں گے۔

(اقبال یوسف دہلی مرکنٹائل سوسائٹی کراچی)

ہر ایک کا متفق ہونا ممکن نہیں

مضمون "ایک انقلابی کی برسی" اس دفعہ کا سب سے اچھا مضمون تھا آپ ہر دفعہ کسی انقلابی کی زندگی کے متعلق ضرور لکھا کریں۔

آپ نے آٹھ سلسلوں کے متعلق رائے پوچھی ہے وہ سب اپنی اپنی جگہ درست ہیں کیونکہ ہر آدمی کی پسند مختلف ہے اگر کسی کو پہلا سلسلہ پسند ہے تو کسی کو دوسرا اسی طرح سب سلسلے مختلف لوگوں کی پسند ہیں۔

ہم سب اللہ کے فضل سے مسلمان ہیں اس لئے میرے خیال میں یہ ضروری ہے کہ ان سلسلوں میں ایک سلسلہ اسلام کے متعلق بھی ہو۔ آج کل کا دور ذہنی کش مکش کا دور ہے جس کا تعلق نفسیات سے ہے اس لئے ضروری ہے کہ نفسیات کے متعلق بھی کوئی سلسلہ ہو۔ ضرور جواب دیں گے۔ اور ان دو نئے سلسلوں اسلام اور نفسیات کے متعلق ضرور غور فرمائیں گے۔

احسان سعید خان ہومیو
پرانی سبزی منڈی بازار گوجرانوالہ۔

فکس اپ کرنے کی مہم جاری رکھیں

آپ نے ہر شعبے اور ادارہ کی کالی بھیڑوں کو "فکس اپ" کرنے کی جو مہم شروع کی ہے ہم اس پر آپ کو داد پیش کرتے ہیں۔

اس دفعہ "مسلح جماعت اسلامی" بھی دلچسپ ہے یہ جماعت درحقیقت ایک لعنت ہے جسے پاکستان کے دامن سے ہم ختم کر کے رہیں گے میں گورنمنٹ کالج لاہور میں بی اے کا طالب علم ہوں امید ہے آپ میری بھیجی ہوئی دو غزلیں جلد ان جلد شائع کر کے حوصلہ افزائی کریں گے

اختر کاظمی نیو شاد باغ لاہور۔

پاکستان کے سرمایہ دار معاشرے پر الفتح کا حملہ

پاکستان کے سرمایہ دار معاشرے پر "الفتح" کا پہلے حملہ کا سلسلہ جو آپ نے شروع کیا۔ اس پر میں آپکو مبارک باد دیتا ہوں، پاکستان کا واحد رسالہ "الفتح" ہے جس نے ۲۲ خاندان اور پاکستان کے سرمایہ دار معاشرے پر "الفتح" کے حملہ کا سلسلہ شروع کیا اور مجھے امید ہے کہ آپ سرمایہ داروں کے خلاف اپنے قلم سے جہاد کرتے رہیں گے۔

۲۸۔ اکتوبر سے ۴ نومبر کے رسالے میں "پیکنگ سے شاد و شان بنک" کا مضمون بہت پسند آیا۔

راجہ اظہر حسین شاد، کیماڑی کراچی

بقیہ: ــــ اداریہ

اگر یہ اقدامات فوجی حکومت نے نہ کئے تو بلا مقابلہ منتخب ہونے والے غیر نمائندہ۔ عوامی نمائندے یہ کام نہیں کر سکیں گے اور وہ عوام کو اور بد دل کر دیں گے۔ اگر مشرقی پاکستان کو ساتھ رکھنا ہے۔ تو عوام کو مطمئن کرنا ہوگا۔ چند نام نہاد لیڈروں کو خوش کرنے سے مشرقی پاکستان ساتھ نہیں رہے گا، جس طرح بیوروکریسی کو خوش کرنے سے مشرقی پاکستان کے عوام مطمئن نہیں ہو سکے۔ اور ہمیں اپنے لاکھوں ہم وطن مشرقی پاکستانیوں کا خون بہتا دیکھنا پڑا۔ اب بھی وقت ہے۔ پاکستانیوں کے ہاتھوں پاکستانیوں کا خون بہنا بند ہو۔ اور مشرقی و مغربی پاکستان کے عوام، محنت کش، مزدور سب متحد ہو کر اپنے اندرونی و بیرونی دشمنوں کا صفایا کر دیں

بقیہ :- برجستہ

جماعت اسلامی نے پاکستان اور فوج کو بچایا

ہم اقتدار حاصل کرنے کے لئے نہیں ملک کو بچانے کے لئے حکومت میں شامل ہوئے ہیں، دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ اگر مشرقی پاکستان میں جماعت اسلامی اپنی جان پر کھیل کر فوج اور حکومت کا ساتھ نہ دیتی تو نہ مشرقی پاکستان کو علیحدہ ہونے سے بچایا جا سکتا تھا نہ پاکستانی فوج کا بچ رہنا ممکن تھا۔"

یہ میاں طفیل محمد کے الفاظ ہیں "ایشیا" کے صفحہ ۶ پر ۱۴ نومبر ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں جماعت اسلامی کے ایک ترجمان نے اس کی تردید کی ہے کہ مولانا مودودی نے یہ نہیں کہا ہے۔ واقعی صحیح ہے مولانا مودودی نے نہیں میاں طفیل محمد نے کہا ہے لیکن جو کہا اسے مشرقی پاکستان کی دوسری سیاسی جماعتیں بھی سن لیں

خاص طور پر جناب جنرل نیازی کہ اگر جماعت اسلامی اپنی جان پر نہ کھیلتی تو پاکستانی فوج کا بچ رہنا ممکن نہیں تھا پاکستانی فوج خواہ مخواہ دنیا کی بہترین فوجوں میں ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اسے بچانے کے لئے جماعت اسلامی کو میدان میں آنا پڑا۔ (محمد حسین - کراچی)

بقیہ :- سفر جاری ہے

نیت ٹھیک رہی اور لالچ کا شکار نہ ہوئے تو انشاءاللہ پاکستان کو مثالی ملک بنائیں گے اور صحیح معنوں میں سب سے بڑا اسلامی ملک بنائیں گے کہ دنیا دیکھے تو کہے یہ ہے پاکستان۔ میں جب دوسرے ملکوں میں جاتا ہوں وہاں کی ترقی اور خوشحالی دیکھتا ہوں تو مجھے دکھ ہوتا ہے کہ پاکستان میں ایسا کیوں نہیں، یہاں غریب مر رہے ہیں، مہنگائی بڑھ رہی ہے۔ میں پچھلے دنوں چھ برس کے بعد چین گیا۔ تو میں نے وہاں پہلے سے بھی زیادہ ترقی اور خوش حالی دیکھی، وہاں کے بچے صحت مند ہیں اور ہر بچہ تعلیم حاصل کرتا ہے۔ انشاءاللہ ہم بھی پاکستان میں ترقی اور خوش حالی لائیں گے۔

● انتخابات مکمل ہوئے ایک سال کا عرصہ گذر چکا ہے مگر عوامی حکومت ابھی تک نہیں بنی ہے، مگر یہ حکومت بہت جلد قائم ہوگی۔ یہ ہمارا حق ہے کسی کا تحفہ اور عنایت نہیں انہوں نے کہا کہ اگر پیپلز پارٹی کی حکومت بن گئی تو آپ دیکھیں گے کہ ہم عوام کی کس طرح خدمت کرتے ہیں کیونکہ ہماری طاقت عوام کی طاقت ہوگی۔

حیدرآباد

● غریبوں، مزدوروں، ہاریوں اور طلبا پر بہت زیادتیاں ہو چکی ہیں ان کی مصیبتیں بڑھ رہی ہیں عوامی حکومت ان تمام مصائب کا خاتمہ کرے گی مجھے معلوم ہے کہ ہمارے برسر اقتدار آنے سے پہلے ہی سازشیں شروع کر دی گئی ہیں۔

● سندھ میں سندھیوں اور مہاجروں میں فسادات کی آگ بھڑکانے کی سازشیں کی جا رہی ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ غریب سندھی اور مہاجر آپس میں نہیں لڑیں گے ایسی سازشوں کو ختم کرنے کے لئے ہمیں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔

● ہم جب سے سیاست میں آئے ہیں ہماری یہی کوششیں رہی ہے کہ غریبوں کی خدمت کی جائے ہم نے ملک بھر میں سیاسی بیداری پیدا کی غریب لوگوں کو ان کے حقوق کا شعور دلانے کے لئے طویل جدوجہد کی۔ اور سیاست میں ایک نئے باب کا آغاز کیا کہ اس ملک کی پچھلی سیاست میں عوام اور غریبوں کو سرے سے نظرانداز کیا جاتا تھا۔ اس ملک میں نیا سیاسی شعور پیدا کرنے میں پیپلز پارٹی کا بھی تھوڑا بہت حصہ ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہم نے الیکشن بھی انہی بنیادوں پر لڑا، اور اس لئے ہمیں نمایاں کامیابی بھی حاصل ہوئی لیکن انتخابات کے نتائج سامنے آئے ایک سال گذر گیا، مگر عوام کی حکومت ابھی تک نہیں بن سکی تاہم اب صدر صاحب نے ۲۷ دسمبر کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر کے اچھا اقدام کیا حکومت بنانا اور اس کی ذمہ داری اٹھانا ہمارا فرض ہے اور ہم اسے حاصل کر کے رہیں گے یہ عوام کا فیصلہ ہے پیپلز پارٹی شکست خوردہ سیاست دانوں کے ساتھ کسی حکومت میں شریک نہیں ہوگی اور اگر شکست خوردہ سیاست دانوں کی کوئی حکومت بنائی گئی تو پھر ایسی ہر حکومت چالیس دن سے زیادہ نہیں چلے گی۔ ہم اسے ہلا کر رکھ دیں گے۔

● ہم جنگ نہیں چاہتے مگر بھارت کی حکومت یہ سمجھتی ہے کہ پاکستان کے حالات سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا یہی سنہری موقع ہے لیکن ہم ایک بہادر قوم ہیں اور اگر جنگ ہوئی تو یہ فوجوں کے درمیان نہیں عوام کی جنگ ہوگی اور اگر برصغیر کے حالات خراب ہوئے تو ہو سکتا ہے کہ پوری دنیا کے حالات خراب ہو جائیں۔ جناب بھٹو نے بھارت کو متنبہ کیا کہ پاکستان تنہا نہیں اس کے بھی دوست اور حمایتی موجود ہیں۔

بقیہ :- روزنامہ غالب سے روزنامہ جنگ تک

گنجائش ہی نہیں تھی۔ دوسری بات یہ کہ میاں صاحب کو اپنے کاروبار کی بنک نامی کے متاثر ہونے کا بھی اندیشہ تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ خود اگر اپنا ایک اخبار بند کر دیتے تو اس سے پاکستان ٹائمز اور امروز لاہور کی ساکھ پر بھی اثر پڑتا اور وہ یہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ کوئی انہیں اس حیثیت سے بدنام کرے۔ جب انہیں حکومت نے بہت معمولی معاوضہ دے کر پروگریسو پیپرز لمیٹڈ کی ملکیت کے حق سے محروم کر دیا تو یہ صدمہ ان کے لئے جان لیوا ثابت ہونا ہی تھا۔ ان کا بہت بڑا سہارا اور بہت بڑے آدرش کی تکمیل کا خواب چھن گیا تھا۔

امروز کراچی بند ہونے سے بہت دنوں پہلے اس کی افواہیں اڑنے لگی تھیں۔ ان افواہوں سے کام کرنے والے دہلے جا رہے تھے۔ اور کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اگر اخبار بند ہو گیا تو کون کہاں جائے گا۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ سب کے مزاج قلندرانہ تھے۔ برسوں سے ایک ہی جگہ کام کر رہے تھے۔ اخبار بند ہونے اور ایک مخصوص اپنائیت اور علم و دانش کی فضا سے محروم ہو جانے کا ڈر اس لئے اور زیادہ تھا کہ یہ کیفیت کسی اور جگہ میسر نہ آ سکے گی۔

آخر انتظامیہ کی طرف سے فرمان آ گیا کہ لوریالیٹز لیبٹ لیا جائے، ایک رعایت یہ برتی گئی کہ جو صحافی لاہور کے امروز میں کام کرنا پسند کریں وہ کراچی چھوڑ کر وہاں چلے جائیں: تاکہ بیروزگاری سے بچ جائیں۔ یہ ایک اچھا فیصلہ تھا۔ سب نے اس کا خیر مقدم کیا۔ مگر انہوں نے خیر مقدم نہیں کیا۔ جو کسی حالت میں بھی کراچی چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ ان میں میرے علاوہ خود ابرار صاحب، باقر رضوی، طفیل احمد جمالی، جعفر نقوی اور چند کاتب شامل تھے۔ باقی ہارون سعد، حیدر علی خان اور قیصر حنفی نے لاہور کے امروز میں کام کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی (باقی آئندہ)

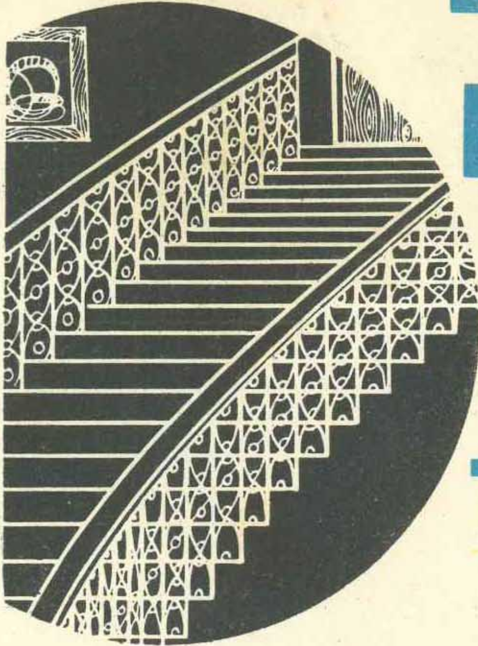
بقیہ :- ۲۲ خاندان

مولابخش خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ مولابخش گروپ کی اہم ترین شخصیت ایس۔ ایم مولابخش ہے۔

منافع کی تقسیم کے متعلق صرف چار سالوں کا ریکارڈ مل سکا ہے۔

سال	شرح
۱۹۶۵ء	۱۰٫۶۰ فیصد
۱۹۶۶ء	۱۲٫۵ فیصد
۱۹۶۷ء	۱۲٫۵ فیصد
۱۹۶۸ء	۱۲٫۰ فیصد

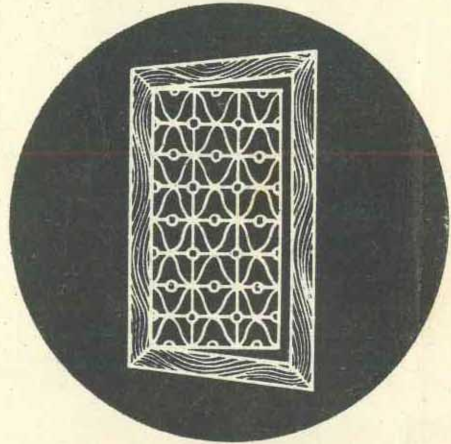
FOR
LOVELY LOOK
&
LONGER LIFE
GIVE





TREATMENT

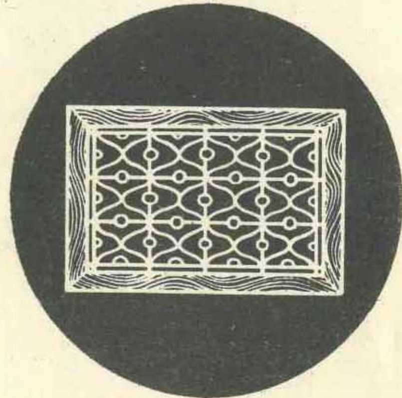
To your Doors, Windows, Grills, Gates, Railings etc. GALVANISING by GIS means successful battle against Rust and Corrosion—the enemies of steel. It means like having a life policy for all your steel.



Consult GIS for wonder treatment for all your steel.

GENERAL IRON & STEEL WORKS LTD.

Factory/Head Office : D/22, S.I.T.E., Karachi.
Phones : 290667, 290668, 290669
Cable : GENSTEEL.
Regional Office :
162, 1st Floor, WAPDA House, Lahore.
Phones : 69830 & 69911/464 Cable :GISSTEEL



Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
18—25, NOVEMBER, 1971



کراچی پہنچنے پر پاکستان پیپلز پارٹی کے سربراہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کا عظیم الشان استقبال

Haqqi Offset Press Karachi.